نشاۃِ اسلامیہ کا علمبردار علمی و دینی مجلہ

الحق

ماہنامہ

اکوڑہ خٹک

سرپرست

شیخ الحدیث مولانا عبدالحق مدظلہ

مدیر

سمیع الحق

پی این ایس سی کے لئے قومی پرچم بردار جہاز راں ادارہ ہونا کیا معنی رکھتا ہے؟

اب جبکہ پی این ایس سی کے جہاز دنیا کے تمام بڑے بندرگاہوں میں پاکستان کی نمائندگی کرتے ہیں ہم اپنی کارکردگی میں کوئی کسر نہیں چھوڑ سکتے۔ ہمیں اپنے تمام تر وسائل اور صلاحیتوں کو بروئے کار لا کر قوم کو بہتر سے بہتر خدمت فراہم کرنا ہے۔

اس مقصد کے حصول کیلئے ہم پوری لگن کے ساتھ کام کر رہے ہیں۔ قومی پرچم بردار جہاز راں ادارہ ہونے کے اعزاز نے ہمیں ایک ایسا حوصلہ بخشا ہے جس نے قوم کی طرف سے عائد کی ہوئی ذمہ داریوں کو پورا کرنے میں ہمیں کامیاب کیا ہے۔

پاکستان نیشنل شپنگ کارپوریشن

قومی پرچم بردار جہاز راں ادارہ

Paragon ® PNSC-15 (PID Islamabad)
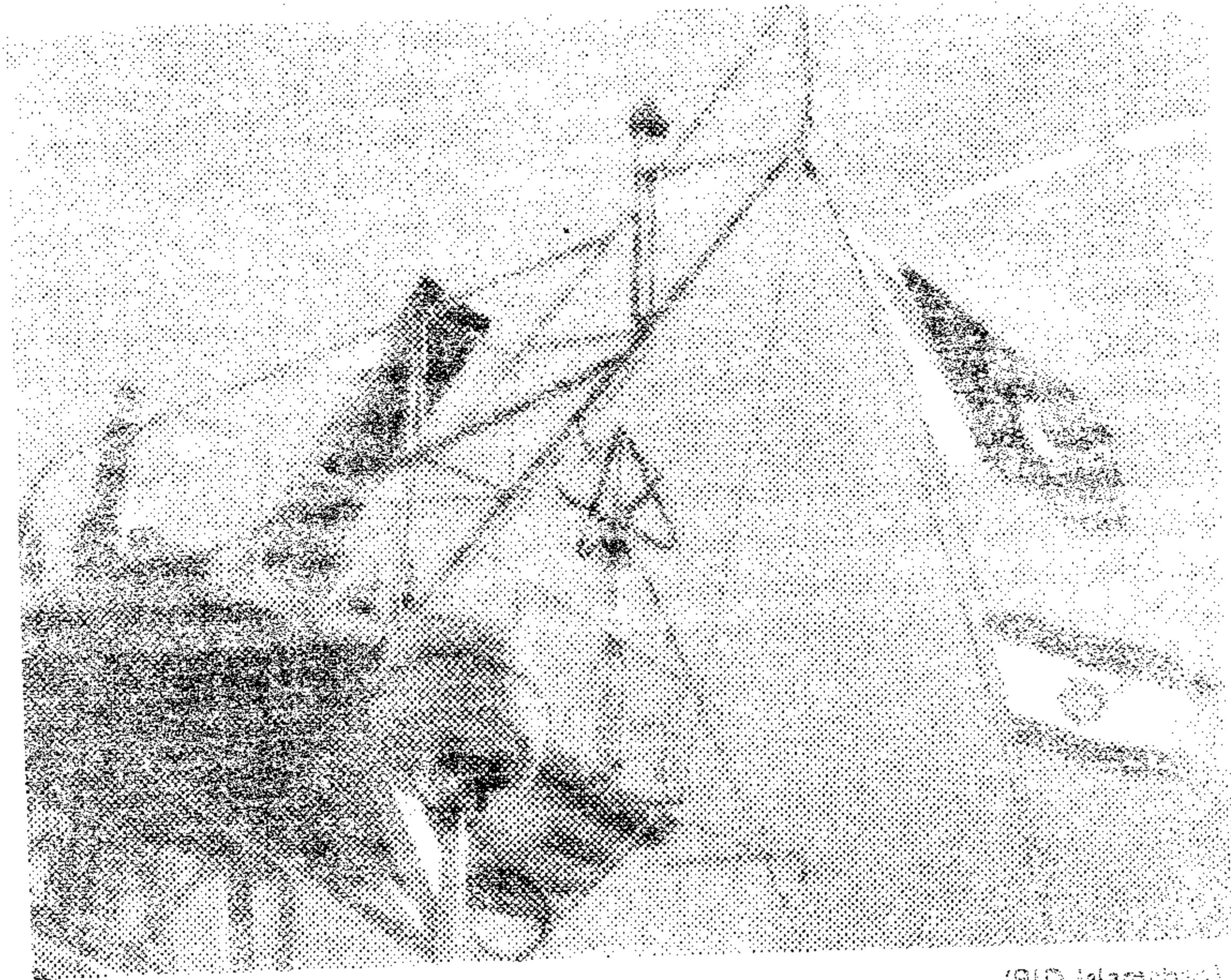
لہٗ دعوۃ الحق

اے بی سی (آڈٹ بیورو آف سرکولیشن) کی مصدقہ اشاعت

نشاۃ اسلامیہ کا علمبردار علمی و دینی ماہنامہ

اس شمارے میں

مدیر : سمیع الحق

فون نمبر دارالعلوم — ۴

فون نمبر رہائش — ۲

شوال ۱۴۰۳ھ
جولائی ۱۹۸۳ء

جلد نمبر : ۱
شمارہ نمبر : ۱۰

بدل اشتراک
پاکستان میں سالانہ ۳۰/- روپے - فی پرچہ ۳/ روپے
بیرون ملک سالانہ عام ڈاک سے ۳ پونڈ ، ہوائی ڈاک سے ۵ پونڈ

سمیع الحق استاد دارالعلوم حقانیہ نے منظور عام پریس پشاور سے چھپوا کر دفتر الحق دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک سے شائع کیا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نقش آغاز

دارالعلوم دیوبند کا آخری چراغ بجھ گیا

داغ فراق صحبت شب کی جلی ہوئی
اک شمع رہ گئی تھی سو وہ بھی خموش ہے

دارالعلوم دیوبند کی محفل دوشین کا وہ چراغ سحر جو پچھلے دو سال سے حوادث و انقلابات زمانہ کے جھونکوں سے بجھ بجھ کر بھی ٹمٹما رہا تھا، بالآخر شوال ۱۴۰۳ھ کے پہلے ہفتہ میں ہمیشہ کیلئے خموش ہو گیا، یعنی حکیم الاسلام، مظہر انوار قاسمیہ، مسند نشین جامعہ دیوبندیہ، ترجمان حقائق اسلامیہ مولانا حافظ قاری محمد طیب صاحب قاسمی قدس اللہ سرہٗ العزیز نے داعی اجل کو لبیک کہا، اور دیوبندی مکتب فکر کے اس میر مجلس کے بساط لپیٹ دینے سے محفلیں اجڑ گئی ہیں اور ہر سو وحشت اور ویرانگی کا سا عالم ہے۔ اب اس دور کا بالکل خاتمہ ہو گیا ہے جو شیخ الہند مولانا محمود الحسن، حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ، علامۃ العصر مولانا انور شاہ کشمیری، شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی اور علامہ شبیر احمد عثمانی کا یادگار تھا۔ ان کی ذات ان اکابر کی نہ صرف بقیۃ السیف نشانی تھی۔ بلکہ ان کی ذات میں ان تمام اکابر و اساطین دیوبند کی نسبتیں جمع تھیں اور وہ زندگی بھر اپنی ذاتی، حسبی اور نسبی، گوناگوں خصائص و کمالات کی وجہ سے ان تمام اکابر کے محبوب بن چکے تھے۔ ایک مرحلہ ایسا آیا کہ شاید آپ دارالعلوم دیوبند چھوڑ کر پاکستان سکونت اختیار کر لیتے ادھر اکابر دیوبند باصرار آپ کو دوبارہ دیوبند کھینچ لائے تو استقبالیہ تقریب میں حضرت شیخ الاسلام مولانا مدنیؒ نے دیدۂ پرنم اور گلوگیر آواز میں ان کو مخاطب کر کے فرمایا ؂

اے تماشا گاہ عالم روئے تو
تو کجا بہر تماشا می روی

بلاشبہ ان کی ذات محبوبیت میں تماشا گاہ عالم تھی۔ وہ اس گلشن علم و معرفت کے مالی اور شجرۂ طوبیٰ کے امین تھے جس کے لئے حجۃ الاسلام ولی اللہ دہلوی حاجی امداد اللہ مہاجر مکی اور شہدائے بالاکوٹ نے زمین ہموار کی جسکی داغ بیل حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتوی اور فقیہ الاسلام رشید احمد گنگوہی نے ڈالی اور جسکی آبیاری میں شیخ الہند محمود الحسن، حکیم الامۃ اشرف علی تھانوی، علامۃ العصر انور شاہ کشمیری اور مجاہد اعظم مولانا حسین احمد مدنی جیسے عمائدین امت نے اپنی زندگی تج دی۔ یہ امانت جب آپ کے ہاتھوں آئی تو پون صدی کے طویل اور صبر آزما شبانہ روز جد و جہد، خداداد اہلیت و صلاحیت اخلاص و دیانت اور والہانہ جہد و عمل کے ساتھ آپ نے اس

مدرسۂ علم کو ایک ایسے جامعہ میں تبدیل کر دیا جس کے انوار و تجلیات سے ایک عالم جگمگا اٹھا اور وہ اس امانت سے الگ ہو کر جب دنیا سے رخصت ہوئے تو دیوبند کا وہ سرچشمہ علم علومِ نبوت کا ایک بحرِ زخار بن کر علم و دانش کی پوری دنیا سے اپنی برتری اور فضیلت کا لوہا منوا چکا تھا۔

آپ حضرت بانیٔ دارالعلوم مولانا محمد قاسم نانوتوی کے پوتے مولانا محمد احمد مہتمم خاص کے صاحبزادے تھے حضرت علامہ محمد انور شاہ کشمیری کے خصوصی تلمیذ حضرت شیخ الہند سے بیعت اور حضرت حکیم الامۃ مولانا اشرف علیؒ کے خلیفۂ مجاز تھے۔ پورے طبقہ کے محبوب و منظورِ نظر اور مرکزِ علمی کی سیادت کے لحاظ سے پوری جماعت کے سید الطائفہ تھے علمی فیض کے علاوہ بیعت و ارشاد کے میدان میں بھی لاکھوں مسترشدین کے روحانی رہبر و رہنما تھے۔ ۱۳۳۷ھ میں درسِ نظامی سے فراغت پائی اور دارالعلوم دیوبند میں درس و تدریس کا مشغلہ اختیار کیا۔

۱۳۴۳ھ سے ۱۳۴۸ھ تک دارالعلوم کے نائب مہتمم رہے۔ ۱۳۴۸ھ سے لیکر وفات سے کچھ عرصہ قبل تک اس مرکزِ علم و ہدایت کی سیادت آپ کو حاصل رہی۔ نیرنگیٔ زمانہ یا چرخِ نیلگوں کی ستم ظریفی کہیئے کہ زندگی بھر علم و حکمت کے جس "تاج محل" (دارالعلوم دیوبند) کی آرائش و تزئین میں مصروف رہے۔

جب وہ بنائے عظیم جشنِ صد سالہ کی شکل میں عظمت و ترقی کے اوجِ کمال کو چھونے لگی تو اس عمارت کا یہ "شاہجہان" جدائی اور مہجوری کے داغ لئے ہوئے اس دنیائے رنگ و بو سے الگ ہو گیا۔ جو کچھ پیش آیا گو اس کے محرکات ان کے عہدِ اہتمام کی طرح دیرینہ اور قدیم تھے۔ اور مشیتِ ایزدی کے سامنے کس کی چلتی ہے مگر پھر بھی بے اختیار جی میں آتا ہے کہ کاش یہ صورتِ حال وہ ایک سال مزید پیش نہ آتی اور دارالعلوم دیوبند کا یہ بلبل ان ہی عظمتوں اور رفعتوں کے ساتھ اور انہی قدرشناسیوں کے ساتھ ہم سے رخصت ہوا ہوتا جو زندگی بھر ہم سب نے انہی کیلئے مخصوص کر رکھی تھیں اور جس کے وہ سزاوار تھے۔ کہ سالارِ کارواں کی شوکت و سطوت پوری جماعت اور قافلہ کی شان بڑھاتی ہے۔ ولکن ما شاء اللہ کان وما لم یشاء لم یکن۔

حکیم الاسلام نسبی اور روحانی رشتوں کے ساتھ ساتھ علم و حکمت کے لحاظ سے اپنی ذات سے بھی ایک انجمن تھے ان کے علوم و تصانیف اور خطبات، حکمت ولی اللہی اور معرفتِ نانوتوی کے اُبلتے ہوئے سرچشمے ہوتے تھے، اسرارِ دین کی تشریح اور رموزِ شریعت کی ترجمانی میں ان کا شمار گنے چنے حکماء اسلام میں ہو سکتا ہے۔ ان کی ہر تقریر حقائق و معارف کا ایک سمندر اور ہر تحریر اسرار و نکات کی ایک دنیا اپنے اندر لئے ہوئے تھی۔ ان کے خطبات سے نہ صرف برِ صغیر کا گوشہ گوشہ بلکہ عالمِ اسلام کے علاوہ افریقہ اور یورپ کی دور دراز بستیاں بھی مستفید ہوئیں دین اور مادرِ علمی دیوبند کی آواز پہنچانے میں زندگی کا اکثر حصہ طویل اسفار کی نذر ہوا۔ اسلام کے اہم اور عصرِ حاضر کے جدید مسائل پہ ایک سو سے زائد تصانیف چھوڑیں، حدیث و تفسیر اور فنِ حقائق و اسرار کی کتابیں

انتظامیہ تدریس بھی رہتی۔ دعوت و بیان کا انداز حکیمانہ، تصنیف و تالیف کی شان فلسفیانہ ہونے کے باوجود شعر و سخن میں بھی اعلیٰ ذوق اور ثقہ انداز رکھتے تھے۔ ان کی مثنویاں، قصائد اور فصیح و بلیغ نظمیں، اعلیٰ ترین ذوقِ سخن کی غمازی کرتی ہیں۔

الغرض وہ اپنے جامع الصفات، اکابر و اسلاف کے کمالات و محاسن، نجابت و سعادت، شرافت و وجاہت، فضل و کمال، اخلاق و شرافت، وقار و تمکنت، فکر و اصابت، تواضع و متانت کا ایک پیکرِ جمیل اور دیوبند کی اعلیٰ روایات کا ایک مرقع اور ظاہری لطافت و نظافت اور حسن و پاکیزگی کا ایک مجسمہ تھے۔ ان کا ماتم ان سب صفات کا ماتم ہے، پوری قوم اور پوری ملت کا ماتم ہے۔ دنیائے علم و فضل کا ماتم ہے۔ درسگاہوں جامعات اور خانقاہوں کا ماتم ہے۔ اور دارالعلوم حقانیہ کے لئے بھی اس لحاظ سے ایک عظیم ماتم کہ دارالعلوم اور اس کے بانی مدظلہ کے ساتھ حضرت حکیم الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کے علائق و روابط اور خصوصی عنایات و توجہات کی داستان تقریباً نصف صدی پر پھیلی ہوئی ہے۔ ع

کبھی فرصت میں سن لینا بڑی ہے داستاں میری

الوداع اے فخرِ دین و ملت، الوداع اے خادمِ حصنِ اسلام، الوداع اے شارحِ علومِ قاسمیہ، الوداع اے امینِ گلشنِ علومِ نبویہ۔ الوداع اے میرِ کارواں، الوداع۔ تیری تربت پر ہزاروں رحمتیں ہوں، اور تو ربِ کریم کی بے پناہ لطف و کرم سے مالا مال ہو ؎

نذرِ اشکِ بے قرار از من پذیر

گریۂ بے اختیار از من پذیر

برد اللّٰہ مضجعك ونور ضريحك وانزل عليك شآبيب رحمتك۔

واللّٰہ يقول الحق وهو يهدي السبيل۔

سمیع الحق

ہ

از جناب ڈاکٹر سید محمد فاروق بخاری

علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ کی قرآن فہمی

علامہ محمد انور شاہ اس خیال سے متفق نہیں ہیں کہ قرآن میں دنیا بھر کا رطب و یابس موجود ہے۔ وہ زوردار الفاظ میں ان لوگوں کی تردید کرتے ہیں جو کتاب اللہ میں نیوٹن کا نظریۂ تجاذب، ڈارون کا نظریۂ ارتقار، آئنسٹائن کا نظریۂ اضافیت وغیرہ ٹٹولتے ہیں۔ اُن کے نزدیک یہ قرآن کی خدمت نہیں ہے۔ بلکہ اس سے زیادتی ہے۔ وہ جانتے تھے کہ سائنسی انکشافات میں کوئی دوام و ثبات نہیں ہے۔ بلکہ روز بروز بدلتے رہتے ہیں۔ آج جن باتوں کو بڑھ چڑھ کر پیش کیا جاتا ہے۔ کل انہیں مسترد کر دیا جاتا ہے۔ اس سلسلے میں ان کی رائے عصر حاضر کے نامور علماء کی آرا سے بہت حد تک ملتی جلتی ہے۔ آیت شریفہ وَالشَّمْسُ تَجْرِی لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ذٰلِكَ تَقْدِيرُ الْعَزِيزِ الْعَلِيمِ (یٰس) پر تقریر کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

لو کان الشرع بنیٰ کلامه فی الکونیات علی الواقع حقیقته لبقی القرآن مکذباً عندهم الی ان یظهر لهم الواقع ایضاً کما هو عندهم الی ان یظهر لهم الواقع ایضاً کما هو عندهم کمسئلة الحرکة هذه فانه لو کان القرآن صدع بحرکة الارض مثلاً لبقی مکذباً فیمن مضوا من الفلاسفة لعدم ثبوتها عندهم وان صدّقه الناس الیوم، وکذالك لو صرّح بحرکة الفلك لصدّقه القدما البتة ولکن صار الیوم مکذباً لا یعتقد به احد، لثبوتها عندهم بخلافه،

اگر شریعت نے اپنا کلام علوم کائنات کی حقیقت واقعی پر کام کیا ہوتا تو ہمیشہ قرآن ان کے (یعنی فلاسفہ اور سائنسدانوں کے) نزدیک ناقابل اعتبار ٹھہرتا جیسا کہ اسی مسئلہ حرکت کے بارے میں ان کے متضاد خیالات سے ظاہر ہوتا ہے۔ مثلاً اگر قرآن نے زمین کے متحرک ہونے کا اعلان کیا ہوتا تو وہ فلاسفہ اس کو جھٹلا دیتے۔ جو زمین کی حرکت کے قائل نہیں تھے۔ اس کے برخلاف آج اس کی کھلی تصدیق ہوتی۔ اسی طرح اگر قرآن نے حرکت فلک کی بحث چھیڑی ہوتی تو

فاخمص القرآن عن نحو تلک الکونیات التی تتعلق بہا غرض فی اعمالنا لیسوی امرہ عند ھؤلاء ولا تحول تلک المباحث بینہ و بین ایمانہم ، ولعمری ھذہ ھو الاحسن۔[1]

فلاسفۂ متاخرین اس کو ناحق نا کفر لیتے۔ جب کہ عصر حاضر کے محققین اس کی تکذیب کرتے یوں کہ ان کی تحقیق قدما کی تحقیق کے خلاف ہے۔ اسی لئے قرآن نے کونیاتی مباحث نہیں چھیڑے تاکہ ان کا معاملہ ہر دور کے لوگوں پر یکساں رہے اور یہ مباحث لوگوں اور ان کے ایمان کے درمیان حائل نہ ہو جائیں۔ اپنی عمر کی قسم یہی بہترین طریقہ ہے۔

ان کی اس رائے کو عصر حاضر کے نامور مفسر مولانا عبدالماجد دریابادیؒ نے ان الفاظ میں پیش کیا ہے۔ فرماتے ہیں:-

"قرآن کا بہت بڑا اعجاز (کہنا چاہیے کہ شاید سب سے بڑا اعجاز) یہ ہے کہ اس نے عقلی علوم اور ترقی پذیر علوم کے مسائل کے باب میں بڑی ہی لچک روا رکھی ہے۔ کہ جو مسئلہ جس طرح اس کے نزول کے وقت علوم عصری کے عین مطابق نظر آتا تھا، اسی طرح آج چودہ سو سال کے بعد بھی معاصر تحقیق کے عین مطابق ہے اس صورت حال کا راز صرف یہ ہے کہ قرآن نے مغیبات کا تو پورا اور کافی علم دے دیا ہے۔ باقی جتنے علوم و فنون کا تعلق انسان کے عقل، ذہن اور دماغ سے ہے اور ان کے مجموعے کا نام خواہ فلسفہ رکھئے یا سائنس ان کی جزئی تفصیلات کی طرف تو قرآن گیا ہی نہیں، بلکہ صرف مجمل اشارات ان کے متعلق کر دیتے ہیں۔ یہ بنیادی حقیقتیں اگر پیش نظر رہیں تو ان شاء اللہ تفہیم قرآن میں بڑی سہولتیں پیدا ہو جائیں گی۔ اور تفسیر قرآن بجائے ایک "خشک" سے موضوع کے ہم دنیا والوں کے لئے بھی بڑا دلچسپ بن جائے گا۔"[2]

مولانا سید مناظر احسن گیلانیؒ بھی قرآن میں سائنس و فلسفہ کے مضامین ڈھونڈ ڈھونڈ کر نکالنے کے سخت خلاف ہیں یہاں تک کہ وہ اضافی حد تک بھی اس قسم کا استفادہ کرنے سے روکتے ہیں۔ مولانا عبدالباری ندویؒ نے حکیم الامت حضرت تھانویؒ سے بھی یہی خیال نقل کیا ہے۔ مولانا آزاد مرحوم بھی اپنے ایک مکتوب میں اسی قسم کی رائے ظاہر کرتے ہیں۔ گو افسوس یہ ہے کہ ترجمان القرآن میں وہ اس رائے پر قائم نہیں رہے۔

شاہ صاحب کے نزدیک قرآن کا کام یہ ہرگز نہیں ہے کہ انسان کو طبیعات، کیمیا، ہیئت، ہندسہ اور تاریخ

---

[1] فیض الباری ج ۴ ص ۲۲۴ [2] تفسیر ماجدی ج ۲ ص ۷ (ابتدائیہ)

وغیرہ پر درس دے یا ان علوم کے مسائل و قواعد پر بحث کرے اُن کی رائے ہیں :-

" قرآن کے مقاصد وہ ہونے چاہئیں جن سے مبداء و معاد اور معاش نیز فلاح و نجاح دنیا و آخرت وابستہ ہو" [1]

یا جیساکہ مولانا دریا بادیؒ نے فرمایا ہے۔

" قرآن وقت کے چلے ہوئے اور اصطلاح مفہوم میں کوئی "علمی" "ادبی" یا "تحقیقی" مقالہ نہیں۔ اصلاً وہ محض کتاب ہدایت ہے، یا انسانی زندگی کا انفرادی یا اجتماعی دستور العمل اس کی دنیا سرتاسر حکمت و اخلاق روحانیت، عبدیت اور انابت کی دنیا ہے [2]

مولانا سید مناظر احسن گیلانی فرماتے ہیں کہ حضرت الاستاذ (مولانا محمد انور شاہ) عربی کے اس شعر کے متعلق

جمیع العلم فی القرآن لکن　　　　تقاصر عنہ افہام الرجال

فرماتے تھے کہ یہ کسی عجمی کا شعر ہے اور زیادہ جلال نے پر اس شعر کے کہنے والے کو غبی الاغبیاء کہتے تھے [3]

ناسخ و منسوخ | قرآن کے مسئلہ ناسخ و منسوخ کے بارے میں شاہ صاحب کی تحقیق یہ ہے کہ قرآن میں منسوخ فی الحکم کچھ بھی نہیں ہے۔ ان کے نزدیک لفظ نسخ کے معنی و مفہوم مختلف زمانوں میں مختلف رہا۔ اسی لئے آیات قرآنی کے منسوخ اور غیر منسوخ کا مسئلہ بھی پیچیدہ رہا۔ جن علماء نے بہت سی آئیں منسوخ قرار دی ہیں ان کے نسخ کا معنی مطلق کو مقید اور عام کو خاص کرنا پیش نظر تھا۔ آگے جن علماء نے مسئلہ نسخ کی مزید تنقیح کر کے نسخ سے تشریعیت کا دور کرنا مراد لیا۔ ان کے یہاں منسوخ آیات کی تعداد بھی سمٹ کر رہ گئی۔ چنانچہ علامہ جلال الدین سیوطی صرف اکیس اور شاہ ولی اللہ محدث دہلوی چھ آیات کے منسوخ ہونے کے قائل ہو گئے۔ انہوں نے بقیہ آیات کی اس طرح تفسیر بیان کی کہ وہ بھی محکم بن گئیں۔ جب محققین نے نسخ سے مختلف معنی مراد لئے تو وہ منسوخ اور غیر منسوخ آیات کی تعیین اور تعداد میں بھی مختلف ہو گئے اس کو مدنظر رکھ کر علامہ فرماتے ہیں۔

انکرت النسخ راسًا وادعیت ان النسخ لم یرد فی القرآن رأسًا۔ اعنی بالنسخ کونُ الآیۃ منسوخۃ فی جمیع ما حوتہ بحیث لا تبقی معمولۃ فی جزئیٍ من جزئیاتہا فذلك عندی غیر واقع وما من آیۃ

میں نسخ سے مطلق انکار کرتا ہوں اور دعوی کرتا ہوں کہ نسخ قرآن پر وارد ہی نہیں ہوتا ہے۔ نسخ سے میں یہ معنی لیتا ہوں کہ کوئی آیت اپنے تمام جزئیات کے ساتھ منسوخ ہے اور اس کا کوئی پہلو قابل عمل نہیں رہا ہے۔ اور یہ میرے نزدیک صحیح نہیں ہے۔ قرآن میں ایسی تمام آیتیں جو منسوخ

---

[1] تیمۃ البیان مقدمہ مشکلات القرآن ص ۶۵　[2] تفسیر ماجدی ج ۱ ص ۶　[3] حیات انور، مقالہ مولانا سید مناظر احسن گیلانی

منسوخة الا وهی معمولة بوجه من الوجوه وجهة من الجهات[1] (کہلاتی جاتی ہیں کسی نہ کسی پہلو اور کسی نہ کسی جہت سے (اب بھی اور ہر وقت) قابل عمل ہیں۔

ناسخ و منسوخ کی بحث اور امام سیوطی اور محدث دہلوی کی تنقیح و تفسیر سے مولانا محمد انور شاہ کشمیریؒ ایک اور چیز اخذ کرتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ اس بحث و تنقیح سے تفسیر بالرائے کی حقیقت کی طرف بھی رہنمائی ملتی ہے وہ یہ کہ ہمارے قدیم مفسرین کرام نے اپنی آراء اور تحقیقات سے قرآنی آیات کی تفسیر بیان کی۔ بعض علماء نے ایسی آیتیں منسوخ سمجھ لی ہیں جنہیں دوسرے علماء نے اپنی تحقیق کے مطابق محکم قرار دیا۔ مگر اس کے باوجود کوئی اسے تفسیر بالرائے نہیں سمجھا۔ جس پر حدیث میں وعید آئی ہے۔ تو جب یہ حقیقت ہے کہ

فان کنت عارفاً باللغة و بالا دوات التی لابد منها ببیان مراد القرآن فلك ان تفسره رأیت مالم یعود الی تغییر فی عقیدة او تبدیل فی مسئلة مسلمة[2] (قرآن کے مدعا کی وضاحت کے لئے زبان اور تفسیری علوم و قواعد سے واقفیت ضروری ہے اگر تم ان سے واقف ہو تو قرآن کی تفسیر و تشریح کر سکتے ہو۔ مگر اس طرح کہ اسلامی عقائد اور مسلمہ مسائل میں کوئی تحریف و تغیر واقع نہ ہونے پائے۔

چند مفسرین کرام اور ان کی تفسیروں کے بارے میں رائے | مشکلات القرآن دیکھنے ہی نظر آتا ہے کہ ان کی نظر تفسیری ذخائر پر کس قدر وسیع اور عمیق تھی۔ متقدمین کی جو تفسیریں مشہور و مقبول ہیں۔ مشکلات القرآن میں ان کا حوالہ ملتا ہے۔ اور جس تفسیر سے جو مواد حاصل کرنا ہوتا ہے۔ اسے فخر کے ساتھ لیتے ہیں۔ تفسیروں میں وہ سب سے زیادہ متاثر حضرت شاہ عبدالعزیز دہلویؒ کی نامکمل فارسی تفسیر "فتح العزیز" سے تھے۔ ان کی رائے میں اگر شاہ صاحب دہلوی نے یہ تفسیر مکمل کی ہوتی۔ تو ذخیرۂ تفاسیر میں اس کا وہی مقام و مرتبہ ہوتا جو شرح بخاری میں حافظ ابن حجر عسقلانی کی فتح الباری کو حاصل ہے۔ اسی وجہ سے ان کی رائے میں امت محمدیہ میں سے کسی نے بھی قرآنی مشکلات کے ساتھ اس طرح اعتنا نہیں کیا ہے جس طرح علم حدیث کے ساتھ کیا گیا ہے۔ محدث بنوری نقل کرتے ہیں:۔

وکان یقول ان مشکلات القرآن تربوا علی مشکلات الحدیث بید ان الاسف علی ان الامة المرحومة لم تخدم القرآن مثل خدمة الحدیث و (فرماتے تھے قرآن کی مشکلات حدیث کی مشکلات سے سے زیادہ ہیں۔ مگر افسوس یہ ہے کہ امت محمدیہ حدیث کی جتنی خدمت انجام دی۔ اتنی قرآن کی نہیں ادا کی۔ حالاں کہ حدیث سے زیادہ قرآن سے

---

[1] فیض الباری ج ۳ ص ۱۴۹ [2] ایضاً

كان الاعتناء به اهم منه بالحديث	اعتنا کرنا اہم اور ضروری تھا
و انه ليس فى ذخيرة التفاسير المطبوعة	مطبوعہ ذخیرۂ تفاسیر میں ایسی کوئی تفسیر
تفسير للقرآن يوازى فى الرتبة فتح	نہیں جو علم حدیث میں ابن حجر کی فتح الباری کے
البارى لصحيح البخارى حاويًا لمزاياه	برابر ہو اور جو قرآن کے تمام پہلوؤں پر محیط
و صادعًا بغوامضه[1]	اور اس کے غوامض کو کھول دینے والی ہو۔

تفسیر عزیزی کے بعد وہ زیادہ اعتماد تفسیر ابن کثیر اور تفسیر البحر المحیط پر کرتے ہیں۔ بالخصوص جہاں عقائد کی تائید و توثیق کی ضرورت ہوتی ہے۔ تو انہی دو تفسیروں پر نظر پڑتی ہے۔ قرآن کے لغوی مباحث اور ادبی خوبیاں بیان کرتے وقت علامہ ابوالقاسم جار اللہ زمخشری کے اقوال کو حرفِ آخر کی حیثیت دیتے ہیں۔ وہ تفسیر کشاف پر اس طرح مٹے ہوئے نظر آتے ہیں کہ مصنف کے اعتزال پر رحم کھانے کے لئے بھی تیار ہوئے ہیں۔ جن آیات کا تعلق معارف و حقائق کے ساتھ ہوتا ہے وہاں شیخ اکبر محی الدین ابن عربیؒ کی الفتوحات المکیہ کو بلاتردد اپنی پناہ گاہ بناتے ہیں۔ آیت وعلّم آدم الاسماء کلّها تقریباً سارے مفسرین نے اسماء اشیاء سے حقائق اشیاء مراد لیا ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کو نہ صرف اشیاء کے نام سکھائے بلکہ ان ناموں کے حقائق سے بھی آگاہ کیا۔ مگر علامہ محمد انور شاہؒ لکھتے ہیں۔

لم يذكر حقائق الاشياء[2] اشیاء کے حقائق ذکر نہیں کئے ہیں۔

پھر اس آیت کی چند سطروں میں عارفانہ تفسیر بیان فرمائی ہے جس میں زیادہ تر شیخ اکبر کے علوم سے استفادہ فرمایا ہے۔ ان کی رائے میں قرآن کے علوم مفسرین کی تفسیر تک ہی محدود نہیں بلکہ عرفا کی تصانیف سے بھی بہت سی گرہیں

---

[1] فیض الباری ج ۳ ص ۱۴۹

[2] مشکلات القرآن ص ۵۔ علامہ محمد انور شاہؒ کی یہ تفسیر (حقائق اشیاء کا عدم ذکر) طبیعات کی جدید تحقیقات کے مطابق نظر آتی ہے۔ طبیعات کے جدید فضلاء اعتراف کرتے ہیں کہ طبیعاتی دنیا میں ان کی تحقیقات کی ساری کوششیں علامات یا اسماء تک محدود ہیں اور ان اسماء کے حقائق کے بارے میں کچھ پتہ نہیں چلتا۔ مشہور یورپی سائنسدان اور فلسفی جوڈ نے اس موضوع پر اپنی کتاب "گائڈ ٹو موڈرن فلوسفی" میں تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔ اس نے بحث کا عنوان ہی یہ رکھا ہے "طبیعاتی دنیا بحیثیت علاماتی، نہ کہ حقیقت" اسی طرح پروفیسر مولانا عبدالباری ندویؒ نے بھی سائنس کے دوسرے مسلم محققین کے نقول پیش کر کے طبیعی دنیا ایک علاماتی دنیا کی صورت میں پیش کیا ہے۔ اور پھر حاشیہ پر لکھا ہے۔ علّم آدم الاسما کلہا سے عام طور پر مفسرین جو حقائق اشیاء کی تعلیم دیتے ہیں وہ کہیں ایسی بات تو نہیں ہے جو قرآن کے مدعا کے خلاف ہو آخر خدا نے صرف اسماء کا لفظ کیوں استعمال فرمایا" (مذہب اور سائنس ص ۱۵۶)

کھلی ہیں۔ قرآن میں جہاں احکام اور فقہیات کا ذکر ہے وہاں علامہ کشمیری فقہائے مفسرین کو ترجیح دیتے ہیں۔ اور ساتھ ہی متکلمانہ تفسیروں کو نہیں چھیڑتے بلکہ کلی فن رجال پر یقین رکھ کر احکام القرآن (جصاص) اور احکام القرآن (ابن العربی مالکی) پر اعتماد کرتے ہیں۔ ملت صابی کی تحقیق میں حافظ ابن تیمیہ کی رائے تسلیم نہ کرتے ہوئے[1] امام ابوبکر جصاص کی تحقیق کو حرف [illegible] ہیں

[illegible] الذی مما ذکرہ الجصاص فی احکام القرآن[2]

امام محمد بن رازی کی تفسیر مفاتیح الغیب معروف بہ تفسیر کبیر کی تعریف و توصیف کرتے تھے۔ اور فرماتے تھے امام صاحب قرآن کی مشکلات میں کھیلے ہیں[3] یہ رائے بھی رکھتے ہیں کہ امام رازی قرآن کی مشکلات اور معضلات میں غوطہ تو مارتے ہیں مگر کہیں کہیں اطمینان نہیں ہوتا۔

مولانا محمد یوسف صاحب بنوری لکھتے ہیں کہ میں نے ایک مرتبہ حضرت الاستاذ علامہ کشمیری سے عرض کیا کہ امام رازی کی تفسیر کے بارے میں علامہ سیوطی نے اتقان میں جو یہ نقل کیا ہے فیہ کل شئی الا التفسیر یعنی اس میں سب کچھ ہے مگر تفسیر ہی نہیں ہے۔ اس کے بارے میں آپ کیا فرماتے ہیں؟ جواب دیا کہ یہ ریمارک ایسے شخص کا ہوگا جس پر روایت پرستی کا غلبہ ہوا اور اخبار و آثار تک محدود رہ کر قرآن کے اسرار و معارف سے غافل ہو[4]

ایک اور موقعہ پر اس ریمارک کے بارے میں یہ بھی فرمایا۔

ذلک القول ظلم فی حق الامام[5] — امام صاحب کے حق میں یہ بات ظلم و زیادتی ہے

روح المعانی کی قدر و اہمیت کے دل سے معترف ہیں اور فخر کے ساتھ کہتے ہیں کہ مجھے صاحب روح المعانی سے دو واسطوں سے شرف تلمذ حاصل ہے۔ تفسیر بیضاوی کے بارے میں فرماتے ہیں کہ اس میں علامہ بیضاوی نے اپنی کوئی تحقیق پیش نہیں کی ہے۔

واعلم ان البیضاوی لم یصنّف کتابہ علی طور المحدثین۔ بل اخذ کثیراً من الکشاف یاتی فی کتابہ الفائق بالموضوعات ایضاً[6]	یاد رکھنا چاہئے کہ قاضی بیضاوی نے اپنی تفسیر محدثین کے طرز پر نہیں لکھی۔ بلکہ قاضی صاحب نے کشاف سے بہت کچھ اخذ کیا ہے اور کشاف کے مصنف اپنی قابل قدر کتاب میں موضوع احادیث بھی لاتے ہیں

---

[1] فیض الباری ج ۱ قاموس القرآن مولانا زین العابدین سجاد لفظ "صابی" [2] مشکلات القرآن ص ۱۶

[3] نفحۃ العنبر من حدی الشیخ الانور ص ۴۸-۴۹ [4] ایضاً [5] ایضاً

[6] فیض الباری ج ۱ ص ۱۶۴

نواب صدیق حسن خانؒ کی تفسیر فتح البیان کو علامہ شوکانی کی تفسیر کا دوسرا نام سمجھتے ہیں۔ ابو محمد عبدالحق حقانی کی مشہور اردو تفسیر کی اہمیت وعظمت کے قائل ہیں۔ عقیدۃ الاسلام میں اس کے مقدمہ کا حوالہ دیا ہے۔ بلکہ دوسرے ایڈیشن میں چند سطور میں اس پر تقریظ بھی لکھی ہے۔ جو مطبوعہ تفسیر حقانی میں شامل ہے۔ اردو تراجم میں حضرت شاہ عبدالقادر صاحب دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے اردو ترجمہ موضح القرآن کو بھی اہم سمجھتے ہیں۔ مشکلات القرآن میں بھی کئی غوامض موضح القرآن کی روشنی میں ہی حل کئے ہیں۔ مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ کی تفسیر بیان القرآن کا حوالہ بھی مشکلات القرآن میں دو جگہ ملتا ہے۔

آخر میں ہم علامہ محمد انور شاہؒ کے ارشادات کی روشنی میں قرآن حکیم کی صرف دو آیات کا مفہوم درج کرتے ہیں تاکہ اندازہ ہو سکے کہ علامہ ممدوح مشکل اور اختلافی مسائل کس خوبی کے ساتھ سہل اور قابل قبول بناتے ہیں۔ اگرچہ ان کے بعض تلامذہ نے کچھ تفسیری افادات اردو زبان میں بھی منتقل کئے ہیں[1] تاہم اس مضمون کو کسی قدر مکمل کرنے کی غرض سے ہم بھی دو آیتوں کی تفسیر مختصر طور پر درج کریں گے۔

وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَآ إِلَّا هُوَ (انعام ۵۹) — اور اسی کے پاس غیب کی کنجیاں ہیں جن کو اس کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

علامہ محمد انور شاہؒ فرماتے ہیں:-

علوم کی دو قسمیں ہیں (۱) علوم تکوینیہ (۲) علوم تشریعیہ۔ تکوینی علوم پر کوئی بھی انسان مکمل طور پر آگاہ نہیں ہے۔ یہاں تک کہ انبیاء بھی ان سے بے خبر ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے تکوینی علوم کی ساری کنجیاں اپنے قبضے میں رکھی ہیں۔ جیسا کہ مذکورہ بالا آیت سے ظاہر ہے۔ چونکہ انبیاءؑ صرف شریعت قائم و نافذ کرنے کے لئے مبعوث ہوئے ہیں۔ اس لئے انہیں تکوینی علوم کو چھوڑ کر صرف تشریعی علوم سے آگاہ کرنا ہی مناسب تھا۔ اور تکوینی علوم کے تمام اصول محفوظ رکھے گئے۔ البتہ ان اصول کے جزئیات کا علم دیا گیا۔ اسی مقام پر امام فخرالدین رازی کو اشتباہ لاحق ہوا۔ جس کی بنا پر وہ کوئی اطمینان بخش جواب نہیں دے سکے۔ اس پر قاضی شوکانی صاحب نے امام رازی کی تنقید کرتے ہوئے کہا کہ یہ رازی کی فلسفیانہ کج روی ہے۔ کیونکہ بقول قاضی شوکانی کسی بھی انسان کو (چاہے وہ پیغمبر یا ولی ہی کیوں نہ ہو) تکوینی علوم میں کسی جز کا کوئی علم بھی عطا نہیں کیا جاتا مگر میں (محمد انور شاہ) کہتا ہوں کہ اس طرح کا دعویٰ وہی سن سکتا ہے جو دنیا میں گذرنے والے واقعات سے بے خبر ہو[2] اگر علامہ شوکانی نے بھی تاریخ کا مطالعہ کیا ہوتا تو وہ جانتے کہ غیب کی

---

[1] اس سلسلے میں قاضی زین العابدین میرٹھی کی قاموس القرآن۔ مولانا محمد حفظ الرحمان سیوہاروی کی قصص القرآن۔ مولانا بدر عالم صاحب میرٹھی کی ترجمان السنہ (بحث ختم نبوت) اور پروفیسر مولانا سعید احمد اکبر آبادی کی وحی الٰہی ملاحظہ کی جا سکتی ہیں۔ [2] فیض الباری ج ۱ ص ۱۵۱

خبریں دینا ایک فن ہے۔ علامہ ابن خلدون نے اسے فنون ہی میں شمار کیا ہے[1]۔

یہ جانی پہچانی بات ہے کہ جب کاہنوں نے کبھی کسی چیز کے واقع ہونے کی خبر دی تو وہ ان کی پیشین گوئی کے مطابق ہو کر رہی۔ اس لئے یہ امام رازی کی کجروی نہیں بلکہ خود قاضی شوکانی کی حقیقت سے ناواقف ہونے کی دلیل ہے علم غیب کی جزئیات کا علم درحقیقت کوئی علم نہیں۔ کیونکہ جزئیات ہمیشہ تغیر پذیر ہوتے ہیں۔ اور ایک جزء کا علم دوسرے جزء کے ساتھ کوئی ربط بھی نہیں رکھتا۔ اس لئے یہ کوئی علم ہی نہیں ہوا۔ علم صحیح معنوں میں وہ ہوا جو اس نوع کے سارے افراد پر مشتمل ہو۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ یورپ سے ہزاروں مصنوعات ہمارے پاس آتے ہیں ہم انہیں دیکھتے بھی ہیں اور جانتے بھی ہیں مگر اس کے باوجود ہم ان کے اصول سے ناواقف ہیں۔

علم صحیح معنوں میں وہ علم ہے کہ جاننے والا اس کے جاننے سے اس نوع کے تمام اصول و اجزاء اور ان کے حقائق سے مطلع ہو جائے۔ اللہ نے اس آیت قرآنی میں مفاتیح کا لفظ استعمال کر کے دراصل اسی حقیقت کی طرف اشارہ کیا ہے۔ ظاہر ہے کہ جب تمہیں چابی دے دی جائے گی تو تم تمام تالوں کو جب چاہو کھول سکتے ہو۔ مگر یہ حالت علم کلی ہی کے ساتھ مختص ہے۔ جو صرف حق تعالیٰ ہی سے مخصوص اور اسی تک محدود ہے۔ اس نے اپنے بندوں کو حسب استعداد بکھرے ہوئے اجزاء عطا کئے۔ کلیدی اہمیت و نوعیت کے علوم اسی کے پاس ہیں۔ یہاں لَا یَعْلَمُهَا اِلَّا هُوَ کا حصر بھی بغیر کسی تاویل کے سمجھ میں آجاتا ہے[2]۔

اِذْ قَالَ اللّٰهُ یٰعِیْسٰۤی اِنِّیْ مُتَوَفِّیْكَ وَ رَافِعُكَ اِلَیَّ وَ مُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا (آل عمران ۵۵)	جب خدا نے فرمایا کہ عیسیٰ میں تمہاری دنیا میں رہنے کی مدت پوری کر کے اپنی طرف اٹھالوں گا اور تمہیں کافروں کی صحبت سے پاک کر دوں گا۔

علامہ محمد انور شاہؒ اس آیت کی تفہیم و توضیح میں ان تین الفاظ کی طرف خاص توجہ کرتے ہیں۔

۱۔ مُتَوَفِّیْكَ　　۲۔ رَافِعُكَ　　۳۔ مطهرك

علامہ کشمیری فرماتے ہیں کہ عربی میں "وفات" اور "موت" کے علیحدہ علیحدہ معنی کے لئے آتے ہیں۔ اگر موت اور وفات دو مترادف الفاظ ہوتے تو ائمہ لغت نے اس کی تصریح کی ہوتی۔ بلکہ اس کے عین برعکس علمائے لغت نے تصریح کی ہے کہ وفات کے معنی ہرگز حقیقی اور طبعی موت نہیں ہے۔ چنانچہ ازہری نے تہذیب الالفاظ اور ثعالبی نے

---

[1] مصر کے نامور فاضل اور ادیب محمد عبداللہ العنان لکھتے ہیں:۔ السّحر والرّؤیا واسرار الحروف والکیمیا والانفعال الرّوحانی والاسرار الخفیة والاستدلال علی الضمائر... هی جمیعًا عنده من انواع العلوم ومما یلحق بها　　(ابن خلدون۔ حیاته و تراثه الفکری ص ۱۱۶۔ قاهرة ۱۹۳۹ء)

فقہ اللغت میں وفات کو موت کے معنیٰ میں نہیں لیا کہ اہلِ عرب کے موت کے معنیٰ میں استعمال سے ناواقف تھے۔ اسی وجہ سے ابن سیّدہ نے مخصص میں جب اس لفظ کو موت کے معنیٰ میں بطور کنایہ استعمال کیا تو اشعارِ عرب کے بدلے قرآنی آیت ہی سے استشہاد کیا۔

لفظ التوفی - اتفقت نظائر اشتقاقہ فی انہ استیفاء الحق بحیث لم یترك منہ شیئا۔	توفّی لفظ کے اشتقاق کی مثالیں اس پر متفق ہیں کہ اس کے معنی حق کی مکمل وصول یابی ہے۔ اس طرح کہ حق سے کوئی چیز باقی نہ رہے۔

علامہ ممدوح آگے لکھتے ہیں کہ یہ لفظ موت کے معنیٰ میں آگے اس وجہ سے استعمال ہونے لگا کہ توفّی میں تعظیم و تشریف ہے لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ اس کا معنی موضوع لہ ہی ختم ہو جائے۔ قرآن حکیم کا ایک ایک لفظ چنا ہوا ہے۔ اور اس کے ایک ایک حرف کے پیچھے حقائق موجود ہوتے ہیں۔ مزید برآں موت اور وفات کا فرق بُلغاء نے ہمیشہ ملحوظ رکھا ہے اور ہر وقت اس کی رعایت رکھی ہے۔ چنانچہ ابوالبقاء نے کلیات میں لکھا ہے۔

قال (ابوالبقاء) التوفی الاماتة و قبض الروح و علیہ استعمال العامة اوالا ستیفاء واخذ الحق و علیہ استعمال البلغاء [1]	توفی کا لفظ عام لوگوں کے ہاں موت دینے اور جان لینے کے معنیٰ میں استعمال ہوتا ہے۔ مگر بلغاؔ کے ہاں اس کے معنی پورا پورا لینا اور حق وصول کرنا ہے۔

اس کے بعد علامہ کشمیری نے ابن اثیر کی المثل السائر اور علامہ سیوطی کی اتقان سے بلاغت کے کچھ اہم اصول و قواعد کی روشنی میں وفات اور موت کا فرق واضح کیا۔ پھر لکھتے ہیں۔

فاذا اتقنت ھذا، فالتوفّی کسائر نظائرہ فی المادة للاخذ والتناول کوفاء العدة والدّین اللازم و الاجل المضروب ولادلالة لہ علی الموت من حیث اللفظ و استعمالہ نعم یجامعہ کثیرًا لان استیفاء العمر یعقبہ الموت و ھذا امرٌ	جب تمہیں اس تحقیق پر اطمینان ہوا تو جان لینا چاہئے کہ وفات اپنے ماخذ کے تمام امثال و نظائر کی طرح "لینے اور پانے" کے معنی رکھتا ہے جیسے وفائے عدّت یا واجبی قرض کی پوری وصولی، یا مقررہ مدت کی تکمیل وغیرہ۔ اس لئے لفظ اور اس کے استعمال کی حیثیت سے یہ لفظ قطعاً موت کا معنیٰ نہیں رکھتا۔ ہاں موت کے معنی سے اکثر یہ ملتا ہے

---

[1] عقیدۃ الاسلام فی حیات عیسیٰ علیہ السلام۔ علامہ محمد انور شاہ کشمیری ص ۱۷

آخر ..... انما شاع الآن فی الموت کنایۃ[1]

کیونکہ عمر کی رسیدگی کے بعد موت ہی ہوتی ہے لیکن یہ دوسری بات ہے .... اب یہ لفظ (وفات) موت کے معنی میں بطور کنایہ مشہور ہوا۔

وفات کے ایک اور معنوی خوبی بیان کرتے ہوئے علامہ کشمیری لکھتے ہیں :-

المتوفّی یکون حق المتوفی فلا یقال مثلاً لا خذ الفرس من الصحراء توفیت الفرس و انما یقال توفیت حقی ای حصلتہ و یقال فی معناہ بالفارسیۃ وصول کردم حق خویش را

متوفّٰی حق ہوتا ہے متوفی کا مثلاً میدان میں گھوڑے کو پکڑ کر یہ نہیں کہہ سکتے "توفیتُ الفرس"

"وصول کردم حق خویش را"

و اذا کان لتحصیل حقہ و الحق لا یکون عند الغیر الا عاریۃ لمدۃ مضروبۃ[2]

یعنی یہ لفظ اس حق کے حاصل کرنے کے وقت بول سکتے ہیں جو وہ دوسرے کے پاس ایک مقررہ مدت کے لئے عاریۃً ہو۔

علامہ ممدوح کے نزدیک موت اور وفات حقیقی اور وضعی اعتبار سے دو مختلف معانی کے حامل ہیں۔ قرآن میں حضرت عیسیٰ کے لئے جہاں "وفات" کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ وہاں اس کے حقیقی اور وضعی معنی ہی مقصود ہے۔ نہ کہ کنایہ۔ اس سلسلے میں علامہ کشمیری یہ بھی فرماتے ہیں کہ قرآن حکیم کی معجزانہ بلاغت آنکھیں کھول دیتی ہے۔ غور کی بات ہے کہ قرآن نے حضرت عیسیٰ کے لئے وفات ہی کا لفظ استعمال کیا جس سے ان کے رفع و نزول کی مکمل تائید و توثیق ہوتی ہے ہاں ایک آیت ایسی بھی ہے جہاں موت ہی کا لفظ وارد ہوا ہے اور علامہ ممدوح اذعان و اعتماد کے ساتھ لکھتے ہیں کہ یہاں موت کا لفظ لانا ہی لازمی تھا کیونکہ اس آیت کا تعلق حضرت عیسیٰ کی حیات بعد نزول سے ہے۔ جب وہ اصلاح و تجدید کریں گے اور پھر عام طبعی موت پائیں گے۔

وَإِنْ مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ إِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهِ قَبْلَ مَوْتِهِ وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ يَكُونُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا (نساء ۱۵۹)

اور کوئی اہل کتاب نہیں ہو گا مگر ان کی موت سے پہلے ان پر ایمان لے آئے گا اور وہ قیامت کے دن ان پر گواہ ہوں گے۔

---

[1] عقیدۃ الاسلام ص ۵۵ [2] تحیۃ الاسلام ص ۴۴۔ مجلس علمی ڈابھیل

اس آیت میں موتہ میں "ہ" حضرت عیسیٰ کی طرف راجح ہے۔ یعنی قرب قیامت میں حضرت عیسیٰ کا نزول ہوگا تو اپنی طبعی موت پانے سے پہلے پہلے تمام اہل کتاب ان پر ایمان لائیں گے۔ تو صاف معلوم ہوا کہ قرآن موت کا لفظ حضرت عیسیٰ کی زندگی کے اس دور کے ذکر میں رہا ہے جو نزول کے بعد ہوگا۔

بعض مفسرین نے موتہ میں "ہ" کا مرجع اہل کتاب ٹھہرایا ہے مگر علامہ کشمیریؒ نے احادیث سے ثابت کیا ہے کہ کبار صحابہؓ نے بھی یہاں حضرت عیسیٰ کی ذات مقدسہ مراد لی ہے۔ حافظ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے بھی الجواب الصحیح لمن بدل دین المسیح میں اسی کو مسلک جمہور کہا ہے۔

مطہرک۔ آیت میں یہ لفظ درج ہیں و مطہرک من الذین کفروا اے عیسیٰؑ ہم کفار کے ہاتھوں سے تم کو بالکل پاک و صاف رکھیں گے۔ اس قرآنی تصریح کے بعد جو لوگ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ کو تختہ دار پر لٹکایا گیا۔ یہاں ان کے جسم کو مارا گیا اور وہ بے ہوش ہوئے، لوگ سمجھے کہ وہ انتقال کر گئے۔ تو انہیں تختہ دار سے اتار کر دفن کیا مگر آپ درحقیقت زندہ تھے۔ چند دن بعد افاقہ ہوا اور کچھ ہمدردوں نے آپ کو قبر سے نکالا۔ علاج و معالجہ کے بعد آپ روپوشی کی حالت میں مادر وطن سے بھاگ گئے۔

یہ تاویلات باردہ اس سے کہیں زیادہ مستبعد ہیں۔ جو ممات مسیح کے قائلین کو عقیدہ رفع و نزول میں محسوس ہوتی ہے۔ علامہ کشمیری فرماتے ہیں کہ اگر ان رکیک باتوں پر غور کیا جائے تو اس ولولہ عزم پیغمبر کی طہارت و تطہیر جس کا قرآن کی مذکورہ آیت کے مطابق اللہ نے وعدہ فرمایا ہے۔ بالکل بے معنی ہوتا ہے صحیح بخاری میں وارد ہوا ہے کہ حضرت موسیٰ نے اپنے رب سے ارض مقدس ہی میں آخری آرام گاہ نصیب کرنے کی دعا کی تھی۔ اسی طرح دوسرے انبیاءؑ بھی پاک مقامات ہی کی تمنا کرتے تھے۔ یہاں خود اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بشارت دیتا ہے کہ میں تم کو کفار سے محفوظ رکھوں گا۔ ان صاف صریح الفاظ کے بعد دعویٰ کرنے والوں کو یہ دعویٰ کتنا کھلا کھلا اور خلاف قرآن نظر آتا ہے۔ جو کشمیر میں قبر مسیح کا دعویٰ کرتے ہیں۔ مرزائے قادیان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے علامہ محمد انور شاہ فرماتے ہیں

دعواہ انّ عیسیٰ علیہ السلام توفّی	وہ دعویٰ کرتا ہے کہ حضرت عیسیٰؑ نے کشمیر میں
بکشمیر و قد کانت دار کفر	وفات پائی۔ حالاں کہ کشمیر اس زمانے میں کفر اور
و وثنیۃ اذذاک و کان اللہ	بت پرستی کا گھر تھا۔ ادھر خدا نے ان سے وعدہ
قال لہ و مطہرک من الذین	کیا تھا کہ میں تجھے کفار سے پاک اور محفوظ رکھوں گا
کفروا، و قد جاء اذا لم تستحی	سچ ہے ع
فاصنع ما شئت [1]	بے حیا باش ہر چہ خواہی کن

[1] عقیدۃ الاسلام ص ۲۳

غرض تطہیر کے رہتے یہ لازم تھا کہ کفار اور بدباطن لوگوں سے آپ کو محفوظ رکھا جائے اور "رفع" اسکا اہم جزء تھا "رفع" ۔اس آیت کا تیسرا قابل تحقیق لفظ "رفع" ہے۔ جو لوگ حضرت عیسیٰؑ کی ممات کے قائل ہیں وہ یہاں رفع سے رفع درجات مراد لیتے ہیں نہ کہ جسمانی رفع۔ ان کے جواب میں محدث کشمیری فرماتے ہیں۔

اوّلاً۔ ہر ایسے شخص پر وہ جو قرآن وحدیث پر ایمان رکھتا ہے اور اسے یقین ہے کہ امت محمدیہ باطل پر کبھی بھی اکٹھا نہیں ہو سکتی۔ واجب ہے کہ یہاں جسمانی رفع ہی تسلیم کرے۔ اسی پر قرآن قطعی الثبوت اور اجماع امت قطعی لامحالہ ہے[1]

ثانیاً۔ حضرت عیسیٰؑ کا یہ رفع ان کے لئے اسی طرح بمنزلہ معراج تھا جس طرح دوسرے انبیاء علیہم السلام اس عطیۂ خداوندی سے سرفراز ہوئے۔ امام راغب اصفہانی نے مفردات القرآن میں یہی مراد لیا ہے۔ جیسا کہ تفسیر البحر المحیط میں ان سے منقول ہے۔

ثالثاً۔ سورہ نساء کی رفع نزول مسیحؑ سے متعلق آیات وفد نجران کے سامنے تلاوت کی گئی۔ جیسا کہ ائمہ متقدمین نے متفقہ طور پر نقل کیا ہے۔ کہ یہ ان کے عقیدہ کی اصلاح کے لئے نازل ہوئیں۔ ان کا عقیدہ تھا کہ عیسیٰؑ روح وجسد کے ساتھ اٹھائے گئے۔ اگر اسلام کا عقیدہ اور قرآن کی تعلیم اس کے برخلاف ہوتی تو ضرور تھا کہ نظم قرآن میں ایسا لفظ لایا جاتا جو

---

[1] ممات مسیح کے بعض قائلین نے اپنی رائے امام مالک۔ امام فخر الدین رازی۔ علامہ ابن حزم اندلسی۔ امام ابن تیمیہ علامہ ابن قیمؒ اور معتزلہ کی طرف بھی منسوب کی تھی۔ علامہ محمد انور شاہ نے یہ دعویٰ بالکل بے بنیاد ثابت کیا۔ اور ان تمام اکابر کی تصانیف سے نقول پیش کر کے دعویٰ کرنے والوں کی علمی خیانت نمایاں کردی۔ اس سلسلے میں علامہ کشمیریؒ کا ایک دوسرا تحقیقی رسالہ التصریح بما تواتر فی نزول المسیح بھی قابل مطالعہ ہے جس کے بارے میں علامہ محمد زاہد الکوثری لکھتے ہیں۔

لمولانا المحدث الکشمیری کتاب التصریح بما تواتر فی نزول المسیح یسوق فیہ سبعون حدیثا تدل علی نزولہ علیہ السلام (مقالات الکوثری) مطبوعہ مصر ص ۳۵۵۔) یعنی مولانا محدث کشمیریؒ نے التصریح بما تواتر فی نزول المسیح کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے جس میں ایسی ستر احادیث پیش کی گئی ہیں جو حضرت عیسیٰؑ کے نزول پر روشنی ڈالتی ہیں۔

اسی طرح یہ رسالہ جب علامہ کوثری کے توسط سے جلیل القدر فلسفی عالم علامہ مصطفیٰ صبری کو پہنچا تو انہوں نے بھی تعجب کے ساتھ لکھا سبعون حدیثاً مرویًا عن الرسول صلی اللہ علیہ وسلم بالسنۃ رواۃ مختلفین من الصحابۃ والتابعین ومن بعدھم لا بدّ ان لکون لھا قیمتھا۔ موقف العقل والعلم والعالم (ج ۴ ص ۲۱ احیا الکتب العربیہ ۱۹۵۰ء) یعنی رسول اللہؐ سے ستر احادیث کا صحابہ، تابعین اور تبع تابعین کی زبانوں سے مروی ہونا یقیناً قدر و اہمیت کا حامل ہے۔

التصریح کا دوسرا ایڈیشن دمشق سے طبع ہوا ہے۔ عبدالفتاح ابوغدہ نے اس پر فاضلانہ مقدمہ لکھا ہے۔

کی تکذیب کرنا۔ اس کے برخلاف قرآن نے ان کے عقیدہ رفع سے اتفاق و تائید کر کے صرف قتل، صلیب اور کفارہ کا بطلان کیا۔ اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے۔ کہ جن اکابر علماء نصاریٰ نے اسلام قبول کیا ان سے بھی منقولات کی کتابوں میں ایسے بہت سے آثار منقول ہیں۔ جو حضرت عیسیٰؑ کے رفع جسمانی پر دلالت کرتے ہیں۔ مثلاً عبداللہ بن سلامؓ۔ کعب الاحبارؒ وہب بن منبہؒ وغیرہ۔ ان کے یہ آثار درمنثور اور جامع ترمذی میں محفوظ مندرج ہیں۔

رابعاً۔ ممات مسیحؑ کے قائلین رفع سے رفع روح مراد لیتے ہیں۔ یعنی روح ہی کو خدا نے مقعد صدق کی طرف اٹھایا۔ اور بلند مقام عطا کیا۔ علامہ محمد انور شاہ فرماتے ہیں کہ یہود دراصل حضرت عیسیٰؑ کو جسمانی اذیت پہنچانے اور قتل کرنے کے درپے تھے۔ قرآن بھی اسی جسمانی اذیت اور قتل یا صلیب جسد کی نفی کرتا ہے۔ روح یہاں داخل کرنا بے معنی ہے۔ اسی طرح رفع جسد کی نفی کر کے رفع درجات پر زور دینا بھی نظم قرآن کے خلاف ہے۔ یہاں رفع خاص نوعیت و اہمیت کا حامل ہے۔ رفع درجات کو حضرت عیسیٰؑ کے ساتھ خاص کرنا بے معنی ہے۔ کیونکہ قرآن حکیم کی تصریح کے مطابق رفع درجات عارفین اور مومنین پر مشتمل اور محیط ہے قرآن کہتا ہے

يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ ۙ وَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ

جو لوگ تم میں سے ایمان لائے ہیں اور جن کو علم عطا کیا گیا ہے اللہ ان کے درجے بلند کرے گا۔

اس آیت میں تمام مقربین داخل ہیں۔ اس لئے حضرت عیسیٰؑ کے ساتھ رفع بمعنی رفع درجات لانے کی کیا ضرورت تھی۔ حضرت عیسیٰؑ کے درجات ہر حال میں بلند اور ارفع ہیں۔ بغرض یہ رفع غیر معمولی اہمیت اور نوعیت کا حامل ہے:

جناب احمد خان صاحب۔ ادارۂ تحقیقات اسلامی
اسلام آباد

اسلامی کتب خانہ

اور

ابنِ سینا

> قائد اعظم یونیورسٹی میں ۲۰ رمئی ۱۹۸۳ء کو ابن سینا کی ہزار سالہ برسی منائی گئی ۔ اس موقعہ پر یونیورسٹی کے مرکز برائے مطالعہ تہذیب و تمدن وسط ایشیا نے ایک سیمینار منعقد کیا جس میں پاکستان بھر کے کچھ علماء و فضلاء نے دو نشستوں میں اپنے پرمغز مقالات پڑھے۔ ان حضرات کے سامنے یہ مختصر مقالہ پیش کیا گیا۔ قارئین الحق کی خدمت میں پیش کر رہا ہوں۔

اپنی مختصر سی سوانح حیات میں ابن سینا (۳۷۰۔۴۲۸ھ) نے اپنے متعلق دیگر معلومات کے ساتھ اسلامی کتب خانے کے بارے میں بہت مختصر مگر جامع اور واضح معلومات بہم پہنچائی ہیں۔ اگرچہ یہ امر ابن سینا کے بارے میں یا اس کی تحریرات کے ضمن میں کوئی خاص اہمیت نہیں رکھتا تاہم اس تحریر سے اسلامی کتب خانہ، اس کا نظام کار، خدمات، اس کی عمارت اور رکارکنان کے بارے میں اتنی روشنی پڑتی ہے کہ اس کی مدد سے اس میدان میں قلت مواد کے باوصف، اس عہد میں کتب خانے کے کردار اور ارتقار سے متعلق ہم جامع تصویر بنا سکتے ہیں۔

یہ تو آپ جانتے ہیں کہ اسلامی کتب خانے کی کارکردگی، معاشرے میں اس کا مقام اور کردار کے بارے میں ابتدائی مسلمانوں نے کچھ لکھا ہی نہیں۔ ضمنی طور پر جو معلومات دستیاب ہیں وہ پوری طرح واضح نہیں۔ اور نہ ہی مکمل۔ انہی معلومات میں چوتھی صدی کی یہ تحریر اہم اور ایک خاص اہمیت کی حامل ہے۔

ابن سینا نے علمی ترقی، کتب سازی (BOOK PRODUCTION) اور کتب خانے کے حصول میں جو معلومات ہمیں بہم پہنچائی ہیں وہ بھی اس ضمن میں خاصی اہم ہیں۔ ان کی یہ خبر کہ کتابوں کے بازار سے گذرتے ہوئے ایک دلال نے الفارابی کی کتاب مابعد الطبیعہ ان کے ہاتھ میں دیتے ہوئے کہا کہ تمہیں سستے داموں دے دوں گا۔ اس امر کی دلیل ہے کہ کتابیں اس کثرت سے بازاروں میں دستیاب تھیں کہ لوگ اچھی اچھی کتابوں کو بھی خاطر میں نہ لاتے تھے۔ ساتھ ہی

امر بھی واضح ہوتا ہے کہ یہ دلال قدردانوں سے نہ صرف واقف تھے بلکہ انہیں ہر قیمت پر کتابیں دینے میں کوئی ہچکچاہٹ محسوس نہیں کرتے تھے۔ یہ حالت تو عوام الناس کی تھی جب کہ ان کے مقابلے میں بادشاہان وقت کی یہ حالت تھی کہ چھوٹا بڑا ہر مصنف اپنی تالیف کا نسخہ اپنے بادشاہ تک پہنچانے میں نہ صرف فخر محسوس کرتا بلکہ ان تک رسائی کا بہت اچھا ذریعہ بھی ہوتا تھا۔ جب کہ بادشاہ ضرورت ہی نہیں فیشن کے طور پر بھی معاصر اور سابقہ مولفین کی کتابیں اچھے اچھے کاتبوں سے نقل کرواتے اور اچھے طریقہ سے خوبصورت جلدیں بندھوا کر اپنے اپنے کتب خانوں کی زینت بنتے تھے۔

آل سامان (حکومت ٢٧٩ھ تا ٣٨٩ھ) کا شاہی کتب خانہ اس معاملے میں ایک نادر اور بے حد قیمتی بات کی نشان دہی کرتا ہے۔ ان کے کتب خانے میں ایسی اور اتنی کتابیں تھیں جن کا نام ابن سینا نے پہلے سن رکھا تھا اور نہ بعد میں سنا۔ یہ اس امر کی دلیل ہے کہ اس خاندان کے حکمران صاحب علم ہونے کے علاوہ صاحب ذوق بھی تھے جنہیں ایسی نادر اور عجوبہ روزگار کتب بطور ہدیہ پیش کی جاتی رہیں یا وہ جمع کرتے رہے جن کا وجود قرب و جوار میں مشکل سے ملتا ہے اس خاندان کے افراد بہت اچھے پڑھے لکھے ہونے کے علاوہ علمی میدان میں ارفع و اعلیٰ درجات پر فائز ہوں نیز انہوں نے علمی توشی اور علمی قدردانی میں بے حد کمال حاصل کر رکھا ہو۔ وی۔ ایف بشنر (V.F. BICHNER) نے دائرہ معارف اسلامیہ میں اس خاندان سے متعلق آرٹیکل کو ختم کرتے ہوئے بہت مناسب اور بامحل صحیح الفاظ میں لکھا

اب سامانیوں کی سیاسی تاریخ سے زیادہ اہم ان کی حکومت کا ایک دوسرا پہلو بھی ہے جو دیگر ایشیائی سلطنتوں سے بہت ممتاز ہے اور جس کا ہم اس جگہ مختصر طور پر ذکر کر سکتے ہیں۔ یہ ہے کہ اس خاندان کی سرپرستی میں صرف علوم ہی نے ترقی نہیں کی بلکہ......

لہٰذا علوم کی ترقی میں سامانیوں کا کردار ان کی قدردانی اور سرپرستی تو اظہر من الشمس ہے۔ چنانچہ اس ترقی کے نتیجے میں کئی کتب خانوں کا وجود ایک [illegible] بات تھی۔ بادشاہوں کے علاوہ بڑے بڑے علما اپنے کتب خانے قائم کئے ہوئے تھے۔ ابن سینا [illegible] فرید بیسیوں [illegible] ابن سینا [illegible] اس وقت [illegible] واقف ہو چکے تھے جب وہ سولہ برس کی عمر میں شاہی کتب خانے میں داخل ہوئے۔

ان [illegible] معلومات سے جو ابن سینا نے ہمیں اس وقت کے ایک کتب خانے کے بارے میں [illegible] ہم ایک ایسی تصویر بنانے میں کامیاب ہوتے ہیں جو اس دور کے کتب خانے پر بھرپور روشنی ڈالتی ہے۔

ابن سینا بتاتے ہیں کہ میری خدمات کے صلے میں مجھے شاہی کتب خانے میں داخل ہونے کی اجازت ملی تو میں نے دیکھا

فدخلت دارا ذات بیوت کثیرۃ - فی کل بیت صنادیق کتب منضدۃ بعضہا علی بعض فی بیت

منہا کتب العربیہ والشعر، فی آخر الفقہ، وکذالک فی کل بیت کتب علم مفرد۔ فطالعت
کتب الاوائل و طلبت ما احتجت الیہ منہا و رأیت من الکتب مالم یقع اسمہ الی کثیر من الناس، وما
کنت رأیتہ من قبل ولا رأیتہ من بعد (القفطی تاریخ الحکماء لیپسک، ۱۳۲۰ھ ص ۴۱۶)

اس مختصر سے بیان میں ابن سینا نے بتایا کہ سامانی خاندان کا یہ کتب خانہ کئی کمروں پر مشتمل تھا اور ہر کمرے میں ایک ہی علم کی کتب رکھی ہوتی تھیں۔ شاہی کتب خانے میں بڑی عمارت نہ ملنے کی وجہ سے الگ الگ کمروں میں کتب رکھنے کا تو سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ تاہم الگ الگ کمروں میں ہر ایک علم کو الگ رکھنے کی خاص وجوہات ہیں اور وہ یہ ہو سکتی ہیں کہ ہر علم کی کتب اس قدر تعداد میں تھیں جنہیں الگ الگ بڑے بڑے کمروں میں رکھا جا سکتا تھا۔ نیز ان سے اس علم کے طالبان بھی استفادہ کر سکتے تھے کہ ہر علم الگ الگ ہو۔ علوم کے ان کمروں کی تعداد کے بارے میں ابن سینا نے کچھ نہیں بتایا مگر "فی کل کتب علم مفرد" سے بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اس وقت تک معلوم علوم ہیں جن کی تعداد سینکڑوں تک پہنچتی ہے یہ کتابیں وہاں رکھی تھیں اس سے ہم اس کتب خانے کی وسعت کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔

ہر علم میں منقسم یہ کتابیں یونہی بے ہنگم طور پر نہیں رکھ دی گئی تھیں بلکہ ان کی علم وار فہرست بنی ہوئی تھی جن سے ابن سینا نے بھرپور استفادہ کیا ہے۔ کتب الاوائل (یونانی فلسفہ) کی فہرست کا باقاعدہ ذکر بھی کیا گیا ہے۔ ان کتابوں کے سٹور کرنے کا بھی بہت بہتر طریقہ ہے۔ جس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ابن سینا ہمیں بتاتے ہیں۔ کہ فطالعت فہرست کتاب الاوائل وطلبت ما احتجت الیہ۔ اور فقرات تلک الکتب وظفرت بفوائدہا کا اشارہ اس ذخیرے کے سٹوریج اور ریڈیبل سسٹم کی اچھائی کی طرف اشارہ ہے۔

کتب خانے میں کتابیں رکھنے کے انداز کو ابن سینا نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔ فی کل بیت صنادیق کتب منضدۃ بعضہا علی بعض۔ ہر کمرے میں کتابیں صندوقوں میں حفاظت یا بطور انداز خاص رکھی ہوتی تھیں۔ کتب خانے کی عمارت کتابیں رکھنے کا انداز ان کی دیگر ضروریات پوری کرنے سے اس شاہی کتب خانے کی یہی تصویر قائم کر سکتے ہیں کہ اس عہد میں کتب خانے کی بہتر سے بہتر اور عمدہ شکل یونہی قائم تھی انہی باتوں کی بدولت اس کتب خانے کو ابن خلکان نے عدیمۃ المثال کہا ہے۔

اس کتب خانے کی خدمات کے بارے میں ان قلیل معلومات کے ہوتے ہوئے کچھ کہنا حدس وقیاس ہی ہوگا۔ ہاں البتہ اس میں ابن سینا کے داخلے اور مطالعہ کتب کی اجازت طلبی سے اتنا معلوم ہوتا ہے کہ یہ کتب خانہ ہر کہہ ومہہ کے لئے نہیں کھلتا تھا بلکہ ایک خاص سطح کے علماء اور مقربان شاہ ہی اس سے استفادہ کر پاتے تھے۔

یہ تمام معلومات درحقیقت ابن سینا کا اسلامی کتب خانے کی ہیئت، بناوٹ، عمارت، کارکردگی اور وسعت کے بارے میں معلومات بہم پہنچانے سے متعلق ایک قیمتی نوٹ ہے جو بالواسطہ طور پر ہے تو سامانی شاہی کتب خانے سے متعلق مگر بلاواسطہ طور پر ایک وسیع تناظر میں اسلامی کتب خانے کی اس ارتقائی مراحل کی ایک عمدہ کڑی کی نشان دہی کر رہا ہے۔

جناب مولانا غلام الرحمان صاحب
مدرس ومفتی دارالعلوم حقانیہ

اسلام کا نظام عدل و انصاف

لفظ عدل قرآن وحدیث کے مختلف مقامات پر مستعمل ہوا ہے جس کے مقابلہ میں ظلم آتا ہے۔ اہل لغت کے ہاں ظلم "گذاشتن چیزے در غیر محل آں[1]" کو کہتے ہیں۔ ظلم کے اس مفہوم کے اعتبار سے اس میں بہت وسعت موجود ہے۔ جو ادنیٰ سے ادنیٰ گناہ سے لے کر کبائر اور شرک تک شامل ہے۔ مثلاً خداوند عالم نے جس مقصد کے لئے انسان کو زبان دی ہے اگر زبان کا استعمال اس میں نہ ہو تو یہ ظلم ہے۔ تو ظلم کے مفہومی اعتبار سے اس کے مقابلہ میں بھی اسی جیسی وسعت موجود ہے

عدل کی ہمہ گیری | اعضاء انسانی اور انعامات خداوندی کو اپنے محل میں استعمال کرنا عدل ہے۔ قرآن مجید میں جہاں قیام عدل کا مطالبہ بنی آدم سے ہوا ہے۔ وہاں عدل سے یہی عمومی معنی مراد ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں۔

"انصاف قائم کرنا اور اس پر قائم رہنا صرف عدالت اور حکومت کا فریضہ نہیں ہے بلکہ ہر انسان اس کا مکلف اور مخاطب ہے کہ وہ خود انصاف پر قائم رہے اور دوسروں کو انصاف پر قائم رکھنے کے لئے کوشش کرے ہاں انصاف کا ایک درجہ حکومت اور حکام کے ساتھ مخصوص ہے۔ وہ یہ کہ شریر اور سرکش انسان جب انصاف کے خلاف اڑ جائیں۔ نہ خود انصاف پر قائم رہیں اور نہ دوسروں کو انصاف کرنے دیں۔ تو حاکمانہ سزا اور تعزیر کی ضرورت ہے۔ یہ اقامت عدل وانصاف ظاہر ہے کہ حکومت ہی کر سکتی ہے۔ جس کے ہاتھ میں اقتدار ہے۔ آج کی دنیا میں جاہل عوام کو چھوڑیئے، لکھے پڑھے تعلیم یافتہ حضرات بھی سمجھتے ہیں کہ انصاف کرنا صرف حکومت اور عدالت کا فریضہ ہے۔ عوام اس کے ذمہ دار نہیں ہیں۔ اور یہ وہ سب سے بڑی وجہ ہے۔ جس نے ہر ملک اور سلطنت میں حکومت اور عوام کو دو متضاد فریق بنا دیا ہے[2]"۔

قیام عدل کے مطالبہ کا تعلق انسان کے انفرادی اور اجتماعی زندگی کے ہر ایک شعبہ سے ہے اور انسان کے اخلاق و کردار (CHARACTER) ظاہر و باطن، عبادات ومعاملات، سیاست و مذہب۔ غرض ہر ایک

---

[1] غیاث اللغات ص ۲۷۸ [2] معارف القرآن ج ۲ ص ۵۷۱، ۵۷۲

شعبہ میں عدل کا ہونا ضروری ہے۔ اس تعلق عامہ کے پیش نظر خداوند عالم نے جب انبیاء و رسل کو دنیا میں بھیج کر ان کی وجہ سے رشد و ہدایت کا درس نوع انسان کو دینا چاہا تو انبیاء کرام کی وساطت سے قیام عدل کا مطالبہ بھی کیا جس کی تکمیل کتب سماویہ سے کی گئی۔ ارشاد ربانی ہے۔

لَقَدْ اَرْسَلْنَا بِالْبَیِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِیْزَانَ لِیَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ ؕ الآیۃ[1]

یعنی ہم نے بھیجے ہیں اپنے رسول نشانیاں دے کر اور اتاری ان کے ساتھ کتاب اور ترازو تاکہ لوگ سیدھے رہیں انصاف پر۔

شیخ الاسلام والمسلمین مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں :-

" یعنی کتاب اس لئے اتاری کہ لوگ عقائد اور اخلاق و اعمال میں سیدھے انصاف کی راہ پر چلیں۔ افراط اور تفریط کے راستہ پہ قدم نہ ڈالیں "[2]

الغرض بعثت انبیاء کے دیگر مقاصد کے علاوہ ایک اہم مقصد یہ قیام عدل بھی رہا ہے۔

مروجہ قوانین اور ان کے نتائج | آج دنیا کی جس قوم پر آپ نظر ڈالیں تو قیام عدل کا یہ مطالبہ مختلف نعروں اور مختلف انداز سے آپ سنیں گے۔ کہیں مساوات اور برابری کہیں انصاف اور حقوق کی بحالی کے عنوان سے عوام و خواص رطب اللسان ہیں۔ مگر عملاً یہ عنقا کے مترادف ہے بلکہ دن بدن جرائم اور مظالم میں روز افزوں ترقی ہو رہی ہے۔ قانون معطل ہے۔ آج ہر ملک میں قانون سازی کے لئے اسمبلیاں قائم ہیں۔ جرائم کے انسداد کے لئے مختلف قوانین وضع کئے جا رہے ہیں لیکن بجائے کمی کے زیادتی ہو رہی ہے۔

نگاہِ خلق میں دنیا کی رونق بڑھتی جاتی ہے میری نظروں میں پھیکا رنگ محفل ہوتا جاتا ہے

آپ حضرات و منت کے لئے خالی الذہن ہو کر عالمی سطح پر جرائم کے معیار کو دیکھیں تو یہ حقیقت آپ پر واضح ہو جائے گی۔ ۱۹۸۰ء میں اقوام متحدہ کی ایک رپورٹ کے مطابق بین الاقوامی سطح پر چھ سالوں کے دوران میں ۷۹ فیصد چوری میں ۶۰ فیصد اور قتل میں ۱۰ فیصد اضافہ ہوا ہے[3]

اگر ایک طرف سائنسی دور میں انسداد جرائم کے لئے سائنسی آلات استعمال کئے جا رہے ہیں تو دوسری طرف مجرم بھی نت نئے طریقے اختیار کرکے بڑی صفائی سے جرم کرتے ہیں اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ایسے امور ضرور ہونے چاہئیں جو انسداد جرائم کر سکیں امن کا معاشرہ (PEACEFUL SOCIETY) مہیا کریں۔ آپ اقوام عالم کے مذاہب اور عقائد کو بھی دیکھ لیں، نام نہاد ترقی یافتہ اقوام کے قوانین کا مطالعہ کریں

---

۱ سورۃ الحدید آیت ۲۵ ۲ تفسیر عثمانی ص ۷۰۱ ۳ بحوالہ روزنامہ جنگ ۱۵ نومبر [illegible]

مگر یقین کیجئے کہ اس کا واحد علاج آپ کو آج سے چودہ سو سال پہلے کوہِ صفا پر

یٰۤاَیُّھَا النَّاس قُولُوا لا الٰہ الا اللّٰہ تفلحوا

کے داعی مکے دئے ہوئے نسخہ کیمیا میں ملے گا جہاں مجرم جرم کرنے کے بعد خود اپنے جرم کا اعتراف اور اعلان کر کے قانون اور انصاف کا مطالبہ کرتا نظر آئے گا۔

نظام عدل کا مرکزی نکتہ | اسلام میں قیام عدل کا بنیادی نکتہ (BASIC POIENT) خوف خداوندی ہے جس کا تعلق فرد سے لے کر معاشرہ تک اور رعیت سے لے کر بادشاہ تک ہے اگر دل و دماغ میں خوف خدا موجود ہو اور نظر یہ ہو کہ آج میں جو کام کر رہا ہوں کل قیامت کے روز دربار خداوندی میں مجھ سے اس کی باز پرس ہوگی۔ اور مجھے ضرور جواب دینا ہوگا۔ تو اس عقیدہ کے بعد ہر ایک انسان قدم بقدم خیال رکھے گا۔ کہ کہیں ایسی غلطی سرزد نہ ہو جائے جو قیامت میں خسارہ اور ذلت کا باعث ہو۔

عدالت میں عدل کی کرسی پر بیٹھے ہوئے حاکم اور مجسٹریٹ کا اگر یہ عقیدہ ہو۔ سامنے ندامت اور پشیمانی کے عالم میں کھڑے ہوئے مجرم بھی اس ہتھیار سے مسلح ہوں تو یقین کر لیجیے کہ ظلم و ناانصافی کا نام ہی عالم سے فنا ہو جائے گا۔ مگر یاد رہے کہ یہ صرف خیالی یا فرضی تصور نہیں ہے بلکہ اسلام اور ہمارے اسلاف کی تاریخی زندگیوں میں اس کے واضح ثبوت موجود ہیں۔

حضرت ماعزؓ کا واقعہ | حضور اقدس صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے اپنے دور کا واقعہ ہے۔

ایک مرتبہ حضرت ماعز بن مالکؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ اے اللہ کے رسولؐ مجھے پاک کیجئے۔ آپؐ نے فرمایا، ماعز لوٹ جا۔ اللہ کے حضور توبہ و استغفار کر۔ راوی کہتا ہے۔ کہ ماعز قدرے دور گئے تھے کہ پھر لوٹ آئے۔ اور مکرر عرض کی، کہ اے اللہ کے رسول مجھے پاک کیجئے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر وہی جواب دیا۔ تین بار ایسا ہی ہوا۔ چوتھی مرتبہ آپؐ نے فرمایا۔ میں تجھے کس چیز سے پاک کروں عرض کی، زنا سے۔ حضور نبی کریمؐ نے لوگوں سے دریافت کیا کہ یہ شخص پاگل تو نہیں؟ آپؐ کو بتایا گیا کہ وہ پاگل نہیں ہے۔ آپؐ نے پھر دریافت فرمایا کہ کیا اس نے شراب پی رکھی ہے؟ تو ایک شخص نے اٹھ کر ماعز بن مالکؓ کے منہ سے بو سونگھی۔ تو اس سے شراب کی بو نہ آئی۔ آپؐ نے پھر دریافت کیا۔ کیا تم نے زنا کیا ہے؟ ماعز نے عرض کی، ہاں مجھ سے زنا ہوا ہے۔ تب آپؐ نے حکم صادر فرمایا۔

تو حضرت ماعز کو سنگسار کر دیا گیا۔ اس واقعہ کے ابھی تین ہی دن گزرے ہوں گے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور ارشاد فرمایا، ماعز بن مالک کے لئے مغفرت کی دعا کرو۔ اس نے ایسی توبہ کی ہے کہ اگر اسے پوری امت پر تقسیم کیا جائے تو سب کے لئے کافی ہے[1]

---

[1] ترجمہ العدالۃ الاجتماعیۃ فی الاسلام ص ۲۸۸، ۲۸۹

اسی دَورِ مبارک میں قبیلہ ازد کے بطن غامہ کی ایک عورت نے بھی اقرار جرم کیا تھا جس کے باعث اسے سنگسار کر دیا گیا۔

رات کی تاریکی میں خوفِ خدا کا اثر | خلیفہ راشد حضرت عمر رضی اللہ عنہ رات کو گشت کرتے ہوئے جب ایک ایسے مکان کے قریب سے گزرے جہاں والدہ اس بات پر اصرار کر رہی تھی کہ میں دودھ میں پانی ملاؤں گی۔ لیکن بیٹی انکار کر رہی تھی اور کہہ رہی تھی کہ حضرت عمر رضؓ نے حکم دیا ہے کہ دودھ میں ملاوٹ نہ کرو۔ والدہ کہتی ہے کہ عمر رضؓ اس وقت کہاں ہے۔ بیٹی جواب دیتی ہے کہ اگر چہ عمر رضؓ اس وقت یہاں موجود نہیں ہے لیکن عمر رضؓ کا خدا جو علیم وخبیر ہے وہ تو موجود ہے۔

اسلامی تاریخ نے خوفِ خداوندی کے اس جذبہ شدت احساس کے اتنے نمونے محفوظ کر رکھے ہیں کہ ان کا بالاستیعاب احصار کرنا انسانی بس کی بات نہیں ہے۔

عرض کرنے کا واحد مقصد یہ ہے کہ خوف خداوندی قیام عدل کے لئے ریڑھ کی ہڈی ہے۔ آخر رات کی تاریکی میں گھر کی چار دیواری کے اندر اس خداترس لڑکی کو دودھ میں ملاوٹ سے باز رکھنا۔ ماعز بن مالک کا کئے ہوئے کام پر پشیمان ہو کر بار بار واپس کرنے کے باوجود لوٹ لوٹ کر اپنے جرم کا اقرار کرنا۔ آخر کونسے جذبہ سے یہ لوگ سرشار ہیں؟ یہ وہی جذبہ ہے جسے ہم خوف خداوندی سے تعبیر کرتے ہیں۔

موانع عدل | عدل کی اسی اہمیت کے پیش نظر قرآن مجید نے واضح طور پر ان امور کی نشان دہی کر دی ہے جو قیام عدل کے لئے سب سے بڑے موانع اور رکاوٹیں ہیں۔ خاص کر شہادت اور قضا میں یہ امور انسان کو انصاف سے ہٹا کر ظلم پر آمادہ کرنے کی ترغیب دیتے ہیں۔ وہ مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ قرابت (RELATION) ۲۔ عداوت (ANIMLIS) ۳۔ مال ودولت (WEALTH)

قرابت | ۔ بسا اوقات ایک انسان تعلقات، قرابت اور رشتہ داری کے ماحول سے متاثر ہو کر درست اور صحیح فیصلہ کرنے میں کامیاب نہیں ہوسکتا۔ مثلاً گواہ اپنی شہادت میں ان تعلقات کی بنا پر جھوٹ بول کر ناجائز اور غیر مشروع امور کا ارتکاب کر بیٹھتا ہے۔ افسر مجاز اپنے بالا افسروں کے رعب سے غلط کام پر آمادہ ہو جاتا ہے۔ اور اس طرح عدل کو چھوڑ کر ظلم کا ارتکاب کر بیٹھتے ہیں۔

قرآن مجید میں اس کی نشاندہی یوں کی گئی ہے۔

یا ایہا الذین امنوا کونوا قوامین بالقسط شہداء للہ ولو علیٰ انفسکم او الوالدین والاقربین۔	اے ایمان والو۔ قائم رہو انصاف پر۔ گواہ دو اللہ کی کی طرف اگرچہ نقصان ہو تمہارا یا ماں باپ کا یا قرابت والوں کا۔

شہادت حق اور قرابتیں | خداوند عالم نے ایمان والوں کو مخاطب کرکے فرمایا۔

اے ایمان والو! تمام معاملات میں ادائے حق کے وقت بھی اور فیصلہ کے وقت بھی انصاف پر خوب قائم رہنے والے اور اللہ کی خوشنودی کے لیے سچی گواہی دینے والے رہو۔ اگرچہ وہ گواہی اور اظہار اپنی ہی ذات کے خلاف ہو یا والدین اور دوسرے رشتہ داروں کے مقابل ہو۔[1]

گویا قانون اور انصاف کے سامنے رشتہ داری اور قرابت کوئی روک نہیں۔ والدین اور ولدیت کے محبوب رشتوں کو بھی اس پر قربان کروگے۔ خود رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی مبارکہ میں اس کے رہنما اصول اور عملی نشان راہ موجود ہیں۔

حضرت اسامہؓ کی سفارش پر دربار نبوت کا ردِعمل | حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے:۔

قریش کے قبیلہ مخزومی کی ایک عورت سے چوری کے فعل نے بہت پریشان کردیا۔ قریش نے باہمی مشورہ کیا کہ اس عورت کو ہاتھ کاٹنے کی سزا سے بچانے کے لیے حضورؐ کی خدمت میں سفارش کردینی چاہیے۔ سب نے حضرت اسامہؓ کو منتخب کیا، کیونکہ وہ رسول اللہ کے محبوب رفیق تھے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم جس شفقت سے حسن اور حسین کو دیکھتے تھے حضرت اسامہؓ بھی اسی طرح منظور نظر تھے۔

حضرت اسامہؓ نے جب سفارش کی تو بارگاہِ نبوت سے جلال آمیز ارشاد صادر ہوا۔

اتشفع فی حد من حدود اللّٰہ ثم قام فاختطب فقال یایھا الناس انما ھلک الذین قبلکم انھم کانوا اذا سرق فیھم الشریف ترکوہ و اذا سرق فیھم الضعیف اقاموا علیہ الحد و ایم اللہ لو ان فاطمۃ بنت محمد سرقت لقطعت یدھا

([illegible] جلد اول صفحہ ۹۵)

کیا تم اللہ کی حدود میں سفارش کررہے ہو پھر کھڑے ہوکر خطبہ فرمایا کہ اے لوگو! بے شک تم سے پہلے لوگ اس لیے ہلاک ہوئے کہ جب ان میں کوئی شریف چوری کرتا تو اسے چھوڑ دیتے۔ اور جب کوئی نادار چوری کرتا تو اس پر حد قائم کرتے۔ اور خدا کی قسم اگر میری بیٹی فاطمہ (خدانخواستہ چوری کرتی) تو میں ضرور اس کے ہاتھ کاٹتا۔

ایک انسان جب کسی اعلیٰ عہدہ اور مقام پر فائز ہوجاتا ہے تو اس کے تعلقات اور رشتہ داری بڑھ جاتی ہے، اجانب اقارب بن جاتے ہیں۔ مدتوں سے ٹوٹے ہوئے رشتے پھر جُڑ جاتے ہیں۔ لیکن مسلمان سے مذہب اسلام کا یہی مطالبہ ہے کہ قانون کے مقابلہ میں کسی کو ترجیح نہ دی جائے۔

---

[1] بیان القرآن

عدل فاروقی کی ایک جھلک | خلفائے راشدین میں سے حضرت عمرؓ کے دورِ مبارک میں یہ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا کہ حکمرانوں کے اعزا اور اقربا کو رعیت کے دوسرے افراد کے مقابلہ میں امتیازی مقام حاصل ہو۔ چناں چہ آپ کے صاحب زادے حضرت عبدالرحمٰن نے جب شراب پی تو ان پر بھی حد جاری کرنا لازمی قرار دیا گیا[1] نیز حضرت عمرؓ نے اپنے قریبی رشتہ دار قدامہ بن مظعون جو آپ کے سالے اور معزز صحابی تھے ان کو بھی اسی جرم میں اسی کوڑے لگوائے[2]

ایک دفعہ آپ نے ایک آدمی سے گھوڑے کا مول بھاؤ کیا۔ پھر آزمانے کی خاطر اس پر سواری کرنے لگے۔ گھوڑا ٹھوکر کھا کر گرا اور زخمی ہو گیا۔ حضرت عمرؓ نے چاہا کہ اس گھوڑے کو اس کے مالک کو واپس کرے۔ لیکن مالک نے واپس لینے سے انکار کیا۔ دونوں یہ مقدمہ لے کر قاضی شریح کی عدالت میں گئے۔ قاضی نے فریقین کے دلائل سننے کے بعد فرمایا۔

امیر المومنین جو چیز آپ نے خریدی ہے اسے لے لیجئے ورنہ جس حال میں خریدی تھی اسی حال میں واپس کیجئے۔ حضرت عمرؓ بول اٹھے۔ اسے کہتے ہیں فیصلہ کرنا۔ پھر آپ نے شریح کو عدل و انصاف سے فیصلہ کرنے کے بدلے کوفہ کا قاضی مقرر کیا[3]

امیر المومنین قاضی کی عدالت میں | ایسے ہی حضرت علیؓ ایک مقدمہ میں فریق بن کر عدالت میں حاضر ہوئے فیصلہ امیر المومنین کے خلاف ہوا۔ اور آپ اسے محسوس نہیں کرتے۔ جس کی تفصیل یہ ہے۔

ایک دفعہ حضرت علیؓ کی زرہ گر پڑی جو ایک نصرانی کے ہاتھ لگی۔ حضرت علیؓ نے اسے دیکھ کر پہچان لیا۔ اور قاضی شریح کی عدالت میں مقدمہ دائر کر دیا۔ نصرانی کا دعوٰی تھا کہ یہ اس کی اپنی زرہ ہے۔ قاضی شریح نے حسب قاعدہ حضرت علیؓ سے دریافت کیا کہ آپ کے پاس اپنے اس دعوٰی کے اثبات کے لئے کیا ثبوت ہے؟ تو حضرت علیؓ نے اپنے لئے دو گواہ ایک اپنا بیٹا اور دوسرا اپنا آزاد کردہ غلام قنبر کو حاضر کیا۔

حضرت علیؓ کی رائے میں بیٹے کی گواہی والد کے لئے درست تھی۔ لیکن قاضی شریح نے فرمایا۔ کہ آپ کے بیٹے کی گواہی آپ کے لئے درست نہیں ہے اور دوسرا گواہ جو آزاد کردہ غلام ہے۔ اس ایک گواہ کی گواہی سے آپ کا دعوٰی ثابت نہیں ہوتا۔

چناں چہ زرہ کا فیصلہ نصرانی کے حق میں ہوا۔ اور اس فیصلے کا یہودی پر اس قدر اثر ہوا کہ وہ اسی وقت مسلمان ہو گیا۔ اور زرہ حضرت علیؓ کو واپس کر دی۔ لیکن حضرت علیؓ نے دوبارہ وہ زرہ اسے دے دی اور اس کے ساتھ ایک گھوڑا بھی اسے دیا۔[4]

---

[1] العدالۃ الاجتماعیہ فی الاسلام صہ ۳۴۴ [2] تاریخ اسلام صہ ۲۰۷ [3] ایضاً صہ ۳۴۴ [4] نورالانوار صہ ۲۲۲

عرض کرنے کا مقصد یہ ہے کہ نظام عدل کے قیام میں انسان کسی سے متاثر نہیں ہوگا۔ بلکہ آقا اور غلام، غریب اور امیر، ہر ایک کو ایک نظر سے دیکھا جائے گا۔ لیکن تعجب کی بات یہ ہے کہ آج اگر کوئی افسر بالا ماتحت افسر کے خلاف فیصلہ صادر کرے تو معلوم نہیں اس انصاف کی وجہ سے اس فیصلہ کرنے والے کو کیا کیا سزائیں ملیں گی۔ اگر کسی خوف کی وجہ سے معزول نہ کرے لیکن انتقام کی آگ ہر وقت محکوم علیہ کے ذہن میں رہے گی اور فیصلہ کرنے والا انتظار کی گھڑیاں شمار کرتا رہے گا۔

انصاف کی نظر میں عمر فاروق اور ایک عام آدمی برابر ہیں

لیکن اسلام کے شیدائیوں کو جہاں حق بات نظر آئی۔ وہاں اپنے خلاف فیصلہ پر بھی راضی اور خوش رہے۔ چنانچہ ایک دفعہ حضرت عمرؓ کا حضرت ابیؓ بن کعبؓ سے کچھ نزاع ہوگیا۔ حضرت ابی بن کعبؓ نے زید بن ثابتؓ کے یہاں مقدمہ دائر کیا۔ حضرت عمرؓ مدعا علیہ کی حیثیت سے عدالت میں پیش ہوئے۔ حضرت زیدؓ نے تعظیم کی۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا یہ تمہارا پہلا ظلم ہے۔ یہ کہہ کر اپنے فریق ابی بن کعبؓ کے ساتھ بیٹھ گئے۔ حضرت ابی بن کعبؓ کے پاس کوئی ثبوت نہیں تھا اور حضرت عمرؓ کو دعویٰ سے انکار تھا۔ ابی بن کعب نے قاعدہ کے مطابق حضرت عمرؓ سے قسم لینی چاہی۔ زید بن ثابتؓ نے آپ کا لحاظ کرکے ابی بن کعب سے کہا کہ امیر المومنین کو قسم سے معاف رکھو۔ حضرت عمرؓ اس ترجیحی سلوک پر آزردہ خاطر ہوئے اور فرمایا کہ جب تک تمہارے نزدیک ایک عام آدمی اور عمر دونوں برابر نہ ہوں۔ اس وقت تک تم منصب قضا کے قابل نہیں ہو سکتے[1]

نظام عدل نے شاہان وقت کو بھی معاف نہیں کیا

ان مثالوں اور واقعات کا تعلق صرف خلفائے راشدین کے دور مبارک سے خاص نہیں ہے۔ بلکہ حقانیت اور حق گوئی کا یہ جذبہ ہمیشہ اسلاف اور بزرگان دین کا شیوہ رہا ہے۔ جہاں حق بات نظر آئی وہاں بادشاہ کو بھی معاف نہیں کیا۔

قاضی ابو یوسف عدالت کی کرسی پر بیٹھے ہیں۔ ایک شخص ان کے سامنے مقدمہ پیش کرتا ہے کہ عباسی بادشاہ ہادی سے ایک باغ کے بارے میں جھگڑا ہے۔ ابو یوسفؒ رائے قائم کرتے ہیں کہ حق اسی شخص کے ساتھ ہے مگر مشکل یہ ہے کہ گواہ بادشاہ کے پاس ہیں۔ انہوں نے کہا کہ مدعی کا مطالبہ ہے کہ ہادی قسم کھائے کہ اس کے گواہ سچے ہیں۔ ہادی نے قسم کھانے کو اپنی توہین سمجھتے ہوئے اس سے انکار کیا۔ اور باغ اپنے مالک کو واپس کردیا۔

(باقی)

---

[1] کنز العمال جلد ۳ صفحہ ۱۷۴

ڈاکٹر مس جمیلہ سڈل - پشاور یونیورسٹی

حضرت شیخ الہندؒ کے والد

مولانا ذُوالفِقار علیٰ دیوبندی

دیوبند کو مسلمانوں کی تاریخ میں ایک مرکز کی حیثیت حاصل ہے۔ اور بظاہر یہ چھوٹا سا قصبہ اپنی دینی علمی اور تاریخی روایات کے اعتبار سے انتہائی اہمیت کا حامل ہے۔ اس کی تاریخی عظمت، علمی شان و شوکت تمام عالم اسلام کے لیے اور خصوصاً برصغیر کے مسلمانوں کے لیے ایک سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس مردم خیز قصبے نے بہت سے مشاہیر اسلام کو جنم دیا۔ اور یہی وہ قصبہ ہے جو مولانا ذوالفقار علی کی جائے پیدائش ہے۔

مولانا ذوالفقار علی دیوبند کے عثمانی خاندان کے چشم و چراغ تھے۔ آپ کے والد ماجد کا اسم گرامی شیخ فتح علی ہے۔ مولانا اصغر حسین اپنی کتاب "حیات شیخ الہند" میں یوں رقمطراز ہیں:-

اس قصبہ کے مسلمانوں میں غالب و معزز عنصر ہمیشہ سے خلفائے راشدین کی اولاد یعنی شیوخ کا رہا ہے بعض صدیقی اور بعض عثمانی۔ اس مبارک سلسلہ کے چند معزز خاندانوں میں ذوالفقار علی کا خاندان ہے۔ حضرت کے جد امجد شیخ فتح علی صاحب ایک نہایت بلند پایہ شخصیت تھے۔ ان کے تین صاحب زادے تھے۔ جس میں سے حضرت مولانا ذوالفقار علی صاحب ایک نہایت صاحب اقبال اور دینی و دنیاوی حیثیتوں سے صاحب وجاہت اور عزت دار عالم تھے[2]

تاریخ پیدائش | مولانا ذوالفقار علی کی تاریخ پیدائش کیا ہے؟ اس کے متعلق سوائے اس کے کہ "حیات شیخ الہند" میں لکھا ہے کہ مولانا نے ۱۵ رجب ۱۳۲۲ھ - ۱۹۰۴ء میں پچاسی سال کی عمر میں وفات پائی۔ اس حساب سے آپ کی تاریخ پیدائش ۱۲۳۶ھ - ۱۸۲۱ء قرار دی جا سکتی ہے[3]

تعلیم | مولانا ذوالفقار علی نے ابتدائی تعلیم اپنے بڑے بھائی مہتاب علی سے حاصل کی۔ مولانا مہتاب علی مکتبہ مہتابی کے بانی تھے[4] آپ نے فارسی اور عربی کی تعلیم انہیں سے حاصل کی۔ مولانا طیب نے اپنی قلمی یادداشت

---

[1] اکابر علماء دیوبند از حافظ محمد اکبر شاہ بخاری ص ۲۹ [2] حیات شیخ الہندؒ از مولانا اصغر حسین صاحب (دارالکتب اصغریہ دیوبند ۱۹۴۸) ص۶ [3] ایضاً [4] مکتبہ مہتابی: تاریخ دیوبند طبع ۱۹۵۲ (باقی اگلے صفحہ پر)

میں لکھا ہے کہ شیخ الہند کے والد مولانا ذوالفقار علی نے بھی ابتدائی تعلیم اپنے بڑے بھائی شیخ مہتاب علی سے پائی تھی۔ ان ہی کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت نانوتویؒ جس زمانے میں دیوبند کے اس مہتابی مکتب میں علم کی روشنی حاصل کرنے کے لئے شریک کئے گئے تو اس وقت شیخ الہند مرحوم کے والد ماجد مولانا ذوالفقار علی بھی اس مکتب میں زیر تعلیم تھے۔ اور آپ مولانا نانوتوی سے ایک جماعت اوپر ترقی کر چکے تھے۔

ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے بعد مولانا ذوالفقار علی اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کی غرض سے دہلی کالج تشریف لے گئے۔ اور وہاں مولانا مملوک علی کی خدمت میں رہ کر علوم دینیہ وعربیہ حاصل کئے۔ مولانا اصغر حسین صاحب "شیخ الہند" میں تحریر فرماتے ہیں:۔

بقیہ حاشیہ نمبر ۳۸ میں سید محبوب رضوی ص ۶۷، ۶۸ پر مکتبہ مہتابی کے متعلق یوں رقم طراز ہیں:۔

آخری زمانے میں دیوبند میں قدیم طرز کے صرف تین مدرسوں کا پتہ چلتا ہے۔ ان میں سے ایک مدرسہ مولوی مہتاب علی کا تھا۔ دوسرا میاں جی امام علی کا اور تیسرا لعل سنگھ کے رئیس کے مکان پر جاری تھا۔ دیوبند کے بزرگ میاں جی منے شاہ صاحب وہاں پڑھاتے تھے۔ ان مدرسوں میں ہندو اور مسلمان بچے ساتھ ساتھ پڑھتے تھے۔ نصاب تعلیم میں فارسی اور حساب داخل تھا۔ ان مدرسوں میں سے بعض کے تعلیم یافتہ اب بھی خال خال موجود ہیں۔ اگرچہ ان مدرسوں کی تعلیم آج کل کی طرح باضابطہ نہ تھی۔ مگر استادوں کا فیضان نظر شاگردوں میں غیر معمولی قسم کی علمی پختگی اور اخلاقی درستگی پیدا کر دیتا تھا۔ جن لوگوں کو ان مدارس میں پڑھے ہوئے اشخاص سے واسطہ پڑا ہے وہ اس کا بخوبی اندازہ کر سکتے ہیں۔

مولانا مناظر احسن گیلانی سوانح قاسمی کے ص ۱۷۸ تا ۱۸۰ میں مولانا یعقوب نانوتوی کی تالیف سوانح عمری مولانا محمد قاسم نانوتوی کے حوالے سے یوں لکھتے ہیں۔" یہاں دیوبند میں مولوی مہتاب علی کا مکتب تھا"

۳۹ مولانا مملوک علی بن شیخ احمد علی نانوتہ ضلع سہارنپور میں ۱۷۸۶ء میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم نانوتہ میں حاصل کرنے کے بعد دہلی پہنچے۔ جہاں شاہ ولی اللہؒ کے صاحب زادے شاہ عبدالعزیز۔ شاہ عبدالقادر اور شاہ رفیع الدین شمع علم روشن کئے ہوئے تھے۔ آپ نے حضرت شاہ عبدالعزیز سے فیضان تلمذ حاصل کیا۔ اور ہدایت النحو آپ سے پڑھی۔ پھر آپ نے شاہ رفیع الدین اور مولانا رشید الدین خان سے علوم متداولہ حاصل کئے۔ تعلیم مکمل کرنے کے بعد آپ نے دہلی میں درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا۔ اور جب ۱۸۲۵ء میں دہلی کالج قائم کیا تو یکم جون ۱۸۲۵ء کو بحیثیت نائب مدرس آپ کا تقرر ہوا۔ آپ کی تنخواہ پچاس روپے مقرر ہوئی۔ جو کہ ۸ نومبر ۱۸۴۱ء میں مسٹر ٹامسن و دیگر کی سفارش پر دس روپے کا اضافہ کیا گیا اور ساٹھ روپے ہو گئی۔ مولانا مملوک علی ایک عالم مدرس کی حیثیت سے مشہور و معروف ہوئے

"مولانا ذوالفقار علی نے دہلی کے عربی کالج میں جہاں اور بہت سے فخرِ روزگار علماء نکلے ہیں استاد المشائخ مولانا مملوک علی سے تعلیم حاصل کی۔[1] مولانا مناظر احسن گیلانی لکھتے ہیں۔ "مولانا فضل الرحمٰن (والد مولانا شبیر احمد عثمانی) اور مولانا ذوالفقار علی دونوں دلی کالج کے صدر مولانا مملوک علی سے تلمذ رکھتے تھے"[2]

مولانا ذوالفقار علی نے دہلی کالج میں مغربی علوم کی تعلیم بھی حاصل کی ان کے گارسان دتاسی لکھتے ہیں۔

"وہ دہلی کالج کے طالب علم تھے۔ چند سال کے لئے بریلی کالج میں پروفیسر رہے۔ ۱۸۵۶ء میں وہ میرٹھ میں ڈپٹی انسپکٹر مدارس تھے۔ مسٹر ٹیلر ان سے واقف تھے ان کا بیان ہے کہ مولانا ذوالفقار علی ذہین طبع ہونے کے علاوہ فارسی اور مغربی علوم سے بھی واقف تھے۔ ان کے کلام سے قطع نظر انہوں نے اردو میں "تسہیل الحساب" کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے جو بریلی سے ۱۸۵۲ء میں چھپی ہے۔ اس کتاب کو

STATES POSTOLOZZIAN ARITHMATICS BY H.S. RAID کی مدد سے تیار کیا گیا تھا"

بقیہ حاشیہ صہ ۲۹ کالج کے علاوہ گھر پر بھی درس و تدریس میں مشغول رہتے تھے۔ آپ ۱۱ ذی الحجہ ۱۲۶۷ھ مطابق ۷؍اکتوبر ۱۸۵۱ء کو فوت ہوئے اور شاہ ولی اللہ دہلوی کے خاندانی قبرستان میں مدفون ہوئے۔

مولانا مملوک علی کے تلامذہ کا شمار تو ناممکن ہے۔ البتہ ان کے چند ایک ممتاز شاگردوں کے اسمائے گرامی درج ہیں:-

مولانا محمد مظہر نانوتوی۔ مولانا محمد احسن نانوتوی۔ مولانا محمد منیر نانوتوی۔ مولانا محمد قاسم نانوتوی۔ مولانا رشید احمد گنگوہی۔ مولانا محمد یعقوب نانوتوی۔ مولانا احمد علی سہارنپوری۔ مولانا ذوالفقار علی دیوبندی۔ مولانا فضل الرحمٰن دیوبندی۔ شمس العلماء محمد حسین آزاد۔ مولوی کریم الدین پانی پتی۔ مولوی سمیع اللہ اور مولوی ذکاء اللہ۔

مولانا مملوک علی چونکہ ہر وقت درس و تدریس میں مشغول رہتے تھے اس لئے تصنیف و تالیف کا وقت نہ مل سکا اس زمانے میں دہلی کالج سے جن کتابوں کا ترجمہ ہوا اس کی نگرانی و نظرثانی آپ فرماتے تھے۔ چند کتابوں کے نام درج ذیل ہیں

۱۔ تحریر اقلیدس۔ ۱۸۴۴ء میں پرنسپل دہلی کالج کی تحریک پر تحریر کی۔ اقلیدس کے شروع کے چار مقالات اور آخر کے گیارھویں اور بارھویں مقالوں کا اردو میں ترجمہ کیا۔

۲۔ "تاریخ یمینی۔ اس کا مخطوطہ بنگال ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ کے کتب خانہ میں ہے۔

۳۔ ترجمہ سنن ترمذی۔ یہ دہلی کالج کے نصاب میں شامل تھی اس لئے آپ نے اس کا اردو ترجمہ کیا۔

مولانا کے نامور فرزند مولانا محمد یعقوب نانوتوی ہیں (ماخوذ از مولانا محمد احسن نانوتوی مولف محمد ایوب قادری مکتبہ عثمانیہ کراچی صہ ۱۷۷ تا ۱۸۸)

[1] حیات شیخ الہند صہ ۹ [2] سوانح قاسمی ج ۱ ص ۲۱۰

مولانا ذوالفقار علی نے مفتی صدرالدین آزردہ سے بھی فیضان تلمذ حاصل کیا۔ مفتی صدرالدین آزردہ اپنے عدالتی کاموں سے فارغ ہونے کے بعد مدرسہ دارالبقاء میں درس دیا کرتے تھے۔ یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ مولانا نے مفتی صاحب سے کون سی کتابیں پڑھیں[1]

ملازمت: مولانا ذوالفقار علی نے اپنی تعلیم مکمل کرنے کے بعد ملازمت اختیار کی۔ آپ کا پہلا تقرر بریلی کالج میں بحیثیت پروفیسر کے ہوا۔ تاریخ تقرری معلوم نہ ہو سکی۔ البتہ شیخ الہند مولانا محمود الحسن کی پیدائش ۱۸۵۱ میں ہوئی۔" مولانا (شیخ الہند) ۱۲۶۸ھ / ۱۸۵۱ء میں مقام بریلی جب کہ آپ کے والد ماجد بوجہ ملازمت مع اہل وعیال وہاں مقیم تھے۔ عالم ظہور میں تشریف لائے[2]

حافظ محمد اکبر شاہ صاحب بخاری اپنی کتاب " اکابر علماء دیوبند" میں لکھتے ہیں" شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن دیوبندی ۱۲۶۸ھ / ۱۸۵۱ء کو بریلی میں پیدا ہوئے۔ کیونکہ ان ایام میں آپ کے والد مولانا ذوالفقار علی صاحب بریلی میں انسپکٹر مدارس تھے۔ وہ ایک جید عالم اور صاحب تصانیف کثیرہ تھے۔ اور باقبال بزرگ بھی تھے[3]"

محمد ایوب قادری لکھتے ہیں "شیخ الہند مولانا محمود الحسن کے والد مولانا ذوالفقار علی دیوبندی بریلی کالج کے پروفیسر تھے۔ مولانا ذوالفقار علی کا بریلی میں کئی سال تک قیام رہا"

مولانا سید محبوب رضوی یوں رقمطراز ہیں "حضرت شیخ الہند کی پیدائش ۱۲۶۸ھ / ۱۸۵۱ء بریلی میں ہوئی۔

---

[1] غدر کے چند علماء از مفتی انتظام اللہ (دینی بک ڈپو اردو بازار دہلی) ص ۱۴۵، ۵۰

مفتی صدرالدین بن شیخ لطف اللہ کشمیری ۱۲۰۴ھ ۱۷۸۹ء میں دہلی میں پیدا ہوئے۔ علوم نقلیہ کی تحصیل شاہ عبدالعزیز، شاہ عبدالقادر اور شاہ محمد اسحاق سے کی۔ اور علوم عقلیہ مولانا فضل امام خیرآبادی سے حاصل کئے اپنے معاصرین میں ممتاز تھے۔ (تذکرہ علماء ہند ص ۲۴۷) آپ کو ایسٹ انڈیا کمپنی سے صدرالصدوری کا خطاب بھی ملا تھا شاہجہانی عہد سے زیر جامع مسجد مدرسہ دارالبقاء چلا آرہا تھا۔ سلطنت کی تباہی کے ساتھ وہ بھی برباد ہوا۔ مفتی صاحب نے اسے از سر نو اپنے پیسے سے بنوایا۔ اور اساتذہ کو اپنی جیب سے تنخواہ اور طلبا کو وظائف دیتے تھے۔

اس زمانے کی دلی میں شعر و شاعری کا بہت زور و شور تھا آپ کے اور شیفتہ کے ہاں باری باری ہر ہفتے مشاعرے ہوتے تھے۔" آپ ۱۸۵۷ء میں غدر کے زمانے میں فتوی جہاد کے اتہام میں گرفتار ہوئے اور منصب وجائیداد منقولہ و غیر منقولہ ان سے چھین لی گئی" آپ کا انتقال ۲۴ ربیع الاول ۱۲۸۵ھ ۱۸۶۸ء میں ہوا۔

[2] حیات شیخ الہند از میاں اصغر حسین (دارالکتب اصغریہ دیوبند) ص ۹ [3] اکابر علماء دیوبند از حافظ محمد اکبر شاہ بخاری (ادارہ اسلامیات انارکلی لاہور) ص ۲۹

والد ماجد مولانا ذوالفقار علی صاحب بریلی میں محکمہ تعلیم میں ڈپٹی انسپکٹر تھے[۱]۔ ۱۸۵۴ء جو لکھا ہے یہ غلط ہے آپ کی پیدائش ۱۸۵۱ء ہے۔

اوپر دیئے گئے اقوال سے دو باتیں سامنے آتی ہیں کہ آپ بریلی کالج میں پروفیسر تھے یا ڈپٹی انسپکٹر مدارس تھے قیاس تو یہ ہے کہ آپ بریلی کالج میں تدریس کے فرائض بھی سرانجام دیتے رہے ہوں گے۔ اور اس کے ساتھ ساتھ آپ شعبہ تعلیم میں ڈپٹی انسپکٹر بھی ہوں گے۔ یا یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آپ نے کچھ عرصہ بریلی کالج میں بحیثیت پروفیسر کے کام کیا ہو اور اس کے بعد آپ کا تقرر ڈپٹی انسپکٹر کے عہدہ پر کر دیا ہو۔

مولانا محمد ایوب قادری سوانح مولانا محمد احسن نانوتوی کے حاشیہ پر لکھتے ہیں۔

"مولانا ذوالفقار علی ولد شیخ فتح علی دیوبند (ضلع سہارنپور) وطن ہے۔ مولانا مملوک علی نانوتوی سے دہلی کالج میں پڑھے اور بریلی کالج میں پروفیسر اور شعبہ تعلیم میں انسپکٹر مدارس رہے[۲]"

گارساں دتاسی لکھتا ہے۔ " وہ دہلی کالج کے طالب علم تھے چند سال کے لئے بریلی کالج میں پروفیسر ہو گئے اور ۱۸۵۷ء میں وہ میرٹھ میں ڈپٹی انسپکٹر مدارس تھے"۔ بریلی اور میرٹھ کے علاوہ آپ مظفر نگر، ڈیرہ دون اور سہارنپور میں بھی ڈپٹی انسپکٹر مدارس رہے۔ "تذکرۃ البلاغہ" مولفہ مولانا ذوالفقار علی (۱۸۷۴ء) کے سرورق پر آپ کے نام کے بعد ڈپٹی انسپکٹر مدارس سہارنپور لکھا ہے۔

مولانا ذوالفقار علی پنشن پانے کے بعد دیوبند میں آنریری مجسٹریٹ بھی رہے[۳] آپ اس آنریری مجسٹریٹ کے منصب پر زیادہ عرصہ نہیں رہے بلکہ آپ اس سے استعفا دے کر دیوبند میں درس و تدریس میں مشغول ہو گئے۔

مولانا اصغر حسین "حیات شیخ الہند" میں لکھتے ہیں۔ "۱۲۸۹ھ تک حضرت (شیخ الہند محمود الحسن) نے تمام صحاح ستہ اور دیگر فنون کی اعلیٰ کتب مولانا (محمد قاسم نانوتوی) کی خدمت میں ختم کیں اور اس زمانے میں باوقات مختلف ادب کی بعض کتابیں اپنے والد ماجد سے پڑھیں[۴]" محبوب رضوی "تاریخ دیوبند" میں رقمطراز ہیں۔ "شیخ الہند محمود الحسن نے فنون کی بعض اعلیٰ کتابیں اپنے والد ماجد سے پڑھیں[۵]"

مولانا ذوالفقار علی ۱۲۹۳ھ مطابق ۱۸۷۶ء میں ریٹائر ہوئے۔ مولانا مناظر احسن گیلانی سوانح قاسمی میں لکھتے ہیں "یہ دونوں حضرات (مولانا ذوالفقار علی اور مولانا فضل الرحمن) تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد حکومت کے تعلیمی محکمے میں ڈپٹی انسپکٹر ہو کر وظیفہ (پنشن) پانے کے بعد اپنے وطن میں خانہ نشین ہو چکے تھے اور خانہ نشینی کے بعد ہی

۱؎ تاریخ دیوبند از محبوب رضوی ص ۱۲۶ ۲؎ ایضاً ۳؎ مولانا محمد احسن نانوتوی از محمد ایوب قادری ص ۲۱۴ ۴؎ حیات شیخ الہند از مولانا اصغر حسین ص ۱۳ ۵؎ تاریخ دیوبند از محبوب رضوی ص ۱۲۶

غالباً یہ دونوں بزرگ مسجد چھتہ کی مجلس انس کا جزو ہوں گے۔[1] مجلس انس سے مراد بانیان دارالعلوم دیوبند ہیں۔

دارالعلوم دیوبند کا قیام ۱۲۸۳ھ ۱۸۶۷ء میں ہوا۔ مولانا ذوالفقار علی دیوبندی اس دارالعلوم کی بنا میں شریک تھے اور تقریباً چالیس برس تک اس کی مجلس شوریٰ کے رکن رہے۔

قاری محمد طیب تاریخ دارالعلوم دیوبند میں لکھتے ہیں۔ " اس بنا (دارالعلوم کی بنا) میں خصوصیت سے حاجی عابد حسین قدس سرہ، حضرت مولانا ذوالفقار علی قدس سرہ۔ اور حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب قدس سرہٗ قابل ذکر ہیں۔ جن کا ہاتھ ابتداہی سے تاسیس مدرسہ میں تھا۔ یہ حضرات خصوصیت سے حضرت نانوتوی قدس سرہٗ کے دست و بازو رہے ہیں۔ اور بنار (دارالعلوم کی بنا) کے بعد بھی اس کی ذمہ دار مجلس کے رکن کی حیثیت سے مدرسہ کے تمام امور میں عملاً شریک رہے ہیں"

دارالعلوم دیوبند کے پہلے سال کا امتحان مولانا مہتاب علی (مولانا ذوالفقار علی کے بڑے بھائی) مولانا محمد قاسم نانوتوی اور مولانا ذوالفقار علی نے لیا تھا۔

دارالعلوم دیوبند کے علاوہ مدرسہ مظاہر العلوم کی سرپرستی کا فخر بھی مولانا ذوالفقار علی کو حاصل ہوا۔ مدرسہ مظاہر العلوم رجب ۱۲۸۳ھ میں سہارنپور میں دارالعلوم دیوبند کے قیام کے چھ ماہ بعد قائم ہوا۔ مولانا سعادت علی خان سہارنپوری نے یکم رجب ۱۲۸۳ھ کو محلہ قاضی میں اس کی بنیاد رکھی۔ اور مولوی سخاوت علی انبیٹھوی کو مدرس مقرر کیا۔ تین ماہ بعد شوال ۱۲۸۳ھ میں مولانا مظہر صاحب اس مدرسہ کے صدر مدرس بنائے گئے۔ چند سال بعد حافظ فضل حق مدرسہ کو اپنے محلے میں لے گئے۔ اور اپنے ذاتی مکان میں مدرسہ قائم کیا۔ اور اسی سال اس کا نام مدرسہ مظاہر العلوم رکھا گیا۔ اس وقت مدرسہ کے ممبران مولانا محمد مظہر۔ قاضی فضل الرحمٰن اور حافظ فضل حق تھے۔ ۱۲۸۳ھ سے ۱۳۰۲ھ تک مدرسہ کے سرپرست حضرت مولانا سعادت علی خان۔ مولانا محمد مظہر اور قاضی فضل الرحمٰن و امام ربانی رہے۔ ۱۳۱۴ھ میں مولانا خلیل احمد کو دیوبند سے مظاہر العلوم بلا یا گیا۔ اور امام ربانی صاحب مدرسہ کے سرپرست مقرر ہوئے۔ پانچ سال تک اس مدرسہ نے خوب ترقی کی۔ لیکن ۱۳۲۰ھ مطابق ۱۹۰۳ء میں مدرسہ میں ایک ہنگامہ کے بعد امام ربانی نے استعفا دے دیا اور آپ کی جگہ تین حضرات سرپرست مقرر ہوئے۔ مولانا ذوالفقار علی دیوبندی مولانا عبدالرحیم رائے پوری اور مولانا اشرف علی تھانوی[2]

۱۲۸۲ھ ۱۸۶۶ء میں مولانا نے فریضۂ حج ادا کیا۔ اور آپ کے ساتھی مولانا محمد احسن نانوتوی بھی حج کی غرض سے حجاز مقدس تشریف لے گئے تھے۔ حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ اپنے ایک مکتوب بنام رشید احمد گنگوہی میں

---

[1] سوانح قاسمی از مناظر احسن گیلانی ج ۲ ص ۲۳۵ [2] تذکرہ مشائخ دیوبند از مفتی عزیز الرحمٰن قرآن محل کراچی صہ ۲۱۶، ۲۱۹

مولانا ذوالفقار علی اور مولانا محمد احسن نانوتوی کا ذکر ان الفاظ میں کرتے ہیں۔

"فقیر ہر طرح سے خوش و خرم ہے اور تمام احباب کے حق میں دعائے خیر کرتا ہے۔ خطوط متواتر ہر ایک کے پہنچے مدینہ شریف سے آکر ان کا مطالعہ کیا۔ اور مسرت حاصل ہوئی۔ جواب خطوط ہر ایک مفصل نام بنام ہم دست مولوی ذوالفقار علی دیوبندی پہنچے گا۔ اور اس وقت بباعث جلدی کے اور نیز اس سبب سے کہ بسبب بیماری کے جو مدینہ شریف میں لاحق ہوئی تھی ہاتھ میں کسی قدر لغزش ہو گئی۔ خطوط مفصل نہ بھیج سکا اور حال مفصل اس جگہ کا زبانی مولوی محمد احسن صاحب سے معلوم ہوگا۔ حاجت تحریر نہیں"[۱]

مسلک و سلسلہ بیعت | مولانا ذوالفقار علی علوم ظاہری کے ساتھ ساتھ باطنی علوم میں بھی دلچسپی رکھتے تھے۔ چنانچہ دوران حج ۱۲۸۲ھ میں آپ حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کے دست حق پرست پر بیعت ہوئے۔ حاجی امداد اللہ مولانا محمد قاسم نانوتوی کے نام ایک خط میں فرماتے ہیں۔

"مولوی ذوالفقار علی صاحب داخل سلسلہ بزرگان شدند۔ مگر بسبب عدم فرصت و کم قیام و سفر مدینہ منورہ و غیرہ ہیچ کردن نتوانستند لہذا بآں عزیز حوالہ کردن آنکہ بہ حال شان توجہ مدعی دارند و از تعلیم و تلقین دریغ ندارد"[۲]

مولانا ذوالفقار علی کا مسلک حنفی اور چشتی المشرب تھے۔ "تسہیل الدراستہ فی شرح دیوان الحماسۃ" کے دیباچہ میں فرماتے ہیں۔ "و انا العبد المفتقر ذو الفقار علی الدیوبندی مولداً و محتداً و الحنفی مذھباً و الچشتی مشرباً و العثمانی نسباً"[۳]

وصال | مولانا ذوالفقار علی نے ۱۵ رجب ۱۳۲۲ھ ۱۹۰۴ء کو دیوبند میں داعی اجل کو لبیک کہا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون[۴]۔ آپ کو دیوبند کے قبرستان میں سپرد خاک کیا گیا۔ مولانا سید محبوب رضوی دارالعلوم دیوبند کی ۱۳۲۲ھ کی روداد کے حوالے سے محمد ایوب قادری کے نام ایک مکتوب میں لکھتے ہیں۔ "مولانا محمد احسن نانوتوی قبرستان قاسمی آسودہ خواب ہیں۔ حضرت نانوتوی (مولانا محمد قاسم) کے برابر میں جانب مشرق ایک قبر چھوڑ کر ان کی قبر ہے۔ اور درمیانی قبر مولانا ذوالفقار علی کی ہے"[۵]

اولاد | مولانا ذوالفقار علی کی اولاد میں دو صاحب زادیاں اور چار صاحبزادے تھے۔ صاحب زادوں

---

[۱] امداد المشتاق الی اشرف الاخلاق مرتبہ مولانا اشرف علی تھانوی (تھانہ بھون ۱۳۴۷ھ) ص ۲۵۶ [۲] حیات امداد از پروفیسر انوار الحسن (مدرسہ عربیہ نیو ٹاؤن کراچی ۱۹۶۵) ص ۱۴۳ [۳] تسہیل الدراستہ از مولانا ذوالفقار علی (مطبع مجتبائی دہلی) ص ۱ [۴] حیات شیخ الہند ص ۶۷ [۵] مولانا محمد احسن نانوتوی ص ۱۰۱۔۱۰۲

کے اسمائے گرامی یہ ہیں۔ ۱۔ شیخ الہند مولانا محمود الحسن۔ ۲۔ حامد حسن۔ ۳۔ حکیم محمد حسن۔ ۴۔ حافظ محمد محسن۔ ان کا مختصر تعارف درج ذیل ہے:۔

۱۔ شیخ الہند مولانا محمود الحسن۔ آپ ۱۲۶۸ھ ۱۸۵۱ء بریلی میں پیدا ہوئے۔ اس وقت آپ کے والد ماجد مولانا ذوالفقار علی بریلی میں محکمہ تعلیم میں ڈپٹی انسپکٹر مدارس تھے۔ ابتدائی تعلیم اپنے چچا مولانا مہتاب علی سے حاصل کی اور جب دارالعلوم دیوبند کا قیام عمل میں آیا تو آپ اس میں داخل ہوگئے۔ ان کی نسبت کہا جاتا ہے جس نے دارالعلوم دیوبند کے سب سے پہلے استاد ملا محمود کے سامنے کتاب کھولی وہ بھی محمود تھا۔ آپ نے فنون و ادب کی بعض کتابیں اپنے والد سے پڑھیں۔ اور بعض کتابیں مولانا محمد قاسم نانوتوی سے میرٹھ اور دہلی میں رہ کر پڑھیں۔ ۱۹ ذی القعدہ ۱۲۹۰ھ میں دارالعلوم کے جلسہ دستار بندی میں آپ کو سند فراغ و دستار فضیلت اکابر علماء کے دست حق پرست سے عطا ہوئی[1]

۱۲۹۴ھ ۱۸۷۵ء میں مدرس چہارم کی حیثیت سے دارالعلوم دیوبند میں آپ کا تقرر ہوا۔ اور پھر ۱۳۰۸ھ ۱۸۹۱ء میں آپ صدارت کے منصب پر پہنچ گئے۔ دارالعلوم کے سرپرست بھی رہے۔ آپ کی شب و روز کی محنت ایثار اور خلوص کی وجہ سے دارالعلوم کو شہرت دوام حاصل ہوئی۔ مفتی عزیز الرحمن اس کا اظہار یوں فرماتے ہیں۔

"دارالعلوم کو معراج کمال پر پہنچانے والے دو مقدس بزرگ ہیں جن کو ہم شیخ الہند (محمود الحسن) اور شیخ الاسلام (سید حسین احمد مدنی) کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ ان دونوں حضرات نے دارالعلوم کو ایشیا کی منفرد یونیورسٹی کی شکل دی"[2] آپ نے تعلیم کے علاوہ سیاست میں بھی بھرپور حصہ لیا۔ تحریک ریشمی رومال اور تحریک خلافت میں اہم کردار ادا کیا۔

مولانا محمود الحسن ۱۸ ربیع الاول ۱۳۳۹ھ ۱۹۲۱ء کو دہلی میں فوت ہوئے آپ کو دیوبند میں حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتوی کی قبر کے قریب دفن کیا گیا۔ آپ کی تصانیف میں قرآن مجید کا اردو ترجمہ و فوائد۔ ایضاح الادلہ۔ احسن القری الابواب وتراجم البخاری۔ مختلف فتاوی۔ کلیات شیخ الہند اور سیاسی خطبات شامل ہیں۔

۲۔ حامد حسن۔ مولانا ذوالفقار علی کے دوسرے صاحب زادے مولوی حامد حسن ہیں۔ ملازمت کا اکثر حصہ ضلع بجنور میں گذرا ہے۔

۳۔ حکیم محمد حسن۔ یہ مولانا ذوالفقار علی کے تیسرے صاحب زادے ہیں۔ آپ نے مولانا رشید احمد گنگوہی سے علوم

---

[1] حیات شیخ الہند از مولانا اصغر حسین ص ۹ تا ۱۲
[2] تذکرہ مشائخ دیوبند از مفتی عزیز الرحمن۔ قرآن محل ص ۱۷

دین و حدیث کا علم حاصل کیا۔ اس کے علاوہ دارالعلوم دیوبند میں دوسرے علماء کے علاوہ اپنے بھائی شیخ الہند سے بھی تلمذ حاصل کیا۔ طب کی تعلیم دہلی میں حکیم عبدالمجید سے حاصل کی۔ آپ نے ... زندگی دارالعلوم کی علمی خدمات کے ساتھ اس کے شعبہ طب کی خدمت میں صرف کر دی۔

۴۔ حافظ محمد حسن یہ مولانا ذوالفقار علی کے چوتھے صاحب زادے ہیں۔ انہوں نے زندگی کا اکثر حصہ ملازمت میں گذارا۔

تصانیف | مولانا ذوالفقار علی کا یہ احسان عظیم ہے کہ آپ نے عربی ادب کی وہ مستند کتب جو درس نظامی اور جماعت کے نصاب میں شامل تھیں ان کی تسہیل فرمائی۔ اور ان میں سے اکثر کتابیں ایسی تھیں جن کا سمجھنا طلبا کے لئے گراں اور معلمین کے لئے ان کی وضاحت مشکل ہوتی تھی۔ آپ نے ان کتابوں کو عام فہم بنا دیا۔ اور بہت سی کتابوں کا ترجمہ پہلی بار اردو میں کیا۔

۱۔ تسہیل الحساب:۔ مولانا ذوالفقار علی کی یہ سب سے پہلی تصنیف ہے، جسے مولانا نے

" TATES POSTOLOZZIAN BY H.S.RAID "

کی مدد سے اردو میں تیار کیا۔ یہ کتاب ۱۸۵۲ء میں بریلی میں چھپی۔

۲۔ تذکرۃ البلاغہ۔ یہ کتاب علم البلاغہ سے متعلق ہے۔ ۱۲۹۱ھ ۱۸۷۴ء میں مدارس کے طلبا کے لئے لکھی۔ اس کتاب کی تالیف پر آپ کو گورنمنٹ کی طرف سے ۵۰۰ روپے انعام بھی ملا۔ اس کے پہلے ورق پر یہ عبارت ہے۔

"حسب منشاء جناب مستطاب معلی القاب نواب لفٹیننٹ گورنر بہادر ممالک مغربی و شمالی واسطے تعلیم طلبہ مدارس کے کتاب "تذکرۃ البلاغہ" مولوی ذوالفقار علی ڈپٹی انسپکٹر مدارس ضلع سہارنپور نے تالیف کیا۔ جس کے صلے میں پانسو روپیہ بطور انعام سرکار سے مرحمت ہوئے" [۱]

اس کتاب کا پہلا ایڈیشن ۱۸۷۴ء میں، دوسرا ۱۹۰۹ء میں اور تیسرا ۱۹۲۳ء میں مطبع مجتبائی دہلی نے شائع کیا اور چوتھا ایڈیشن مطبع قدیمی دہلی نے چھاپا۔

۳۔ تسہیل الدراسۃ الی ترجمۃ الحماسۃ:۔ یہ دیوان الحماسۃ لابی تمام کی شرح ہے اس کا پہلا ایڈیشن ۱۸۹۰ء، دوسرا ایڈیشن ۱۹۱۱ء میں اور تیسرا ۱۹۱۹ء میں مطبع مجتبائی دہلی نے شائع کئے۔ اس کتاب کا نام "تسہیل الدراسۃ فی شرح دیوان الحماسۃ بھی ہے۔ پہلا نام کتاب کے دیباچے میں ان کی اپنی وضاحت کے ساتھ دیا گیا ہے۔ آپ لکھتے ہیں: "اور اس واسطے کہ حل معانی اشعار اور ان کے حاصل کو دوسری زبان کے اندر بیان کرنے میں زیادہ سعی کی گئی ہے۔ اس لئے اس ترجمے کا نام " تسہیل الدراسۃ الی ترجمۃ الحماسۃ رکھا گیا" اور دوسرا نام مولانا نے تسہیل البیان فی شرح دیوان ابی طیب "کے دیباچے میں لکھا ہے:۔

---

[۱] تذکرۃ البلاغہ۔ مطبع مجتبائی دہلی بار سوم ۱۹۲۳ء

تحق

"ولمّا فرغت من تسوید کتاب تسہیل الدراسۃ فی شرح الحماسۃ"[1] اس طرح اس کے دونوں نام مستند ہیں۔

۴۔ تسہیل البیان فی شرح دیوان ابی طیب: یہ دیوان المتنبی کے دیوان کی شرح ہے۔ یہ کتاب مولانا ذوالفقار علی نے مولوی عبدالاحد مالک مطبع مجتبائی دہلی کی فرمائش پر لکھی اور مطبع مجتبائی ہی نے اس کے تینوں ایڈیشن شائع کئے۔ آپ نے اس کتاب کو لکھنے میں شرح التبیان للعکبری پر انحصار کیا ہے۔ ہر شعر کے عربی میں لغوی معنی دیتے ہیں۔ محاوروں کی وضاحت بھی عربی ہی میں کی ہے۔ اس کے بعد اردو میں ترجمہ کیا ہے۔ اس کے علاوہ آپ نے حسب مقام و محل اردو و فارسی اشعار بھی لکھے ہیں، جو آپ کے اعلیٰ ذوق شعری کی عکاسی کرتے ہیں۔

۵۔ التعلیقات علی السبع المعلقات: یہ شرح بھی آپ نے مولوی عبدالاحد کی استدعا پر ۱۸۹۷ء میں لکھی اور مطبع مجتبائی دہلی نے اسے چھاپا۔ مولانا ذوالفقار علی اس شرح میں علامہ ابو عبداللہ الحسین بن احمد الحنفی الزوزنی اور اس کے خلاصہ جو مولوی عبدالرحیم صفی پوری نے کیا ہے، پر اعتماد کیا ہے۔ آپ نے اس شرح میں بھی انہی خصوصیات کو مدنظر رکھا ہے جو حماسہ اور المتنبی کی شروح میں ملحوظ رکھی گئی ہیں۔

۶۔ عطر الوردہ شرح قصیدہ بردہ: مولانا ذوالفقار علی نے شیخ امام ابو عبداللہ شرف الدین محمد بن سعید بن حماد البوصیری کے اس قصیدہ نبویؐ کا سبب تالیف اس کے دیباچے میں یوں لکھا ہے۔

"کافی وقت اور عرصہ گذرا کہ میں نے جاہلیت کے اشعار جن میں ناپسندیدہ مضامین و خیالات تھے، کی شرح لکھی تھی۔ مجھے اپنی عمر ضائع کرنے پر نہایت قلق و افسوس ہوا کہ میں نے فضول سی باتوں میں اپنی عمر ضائع کی، اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ قول یاد آیا (ترجمہ) "کسی آدمی کے اسلام کی خوبی میں سے یہ ہے کہ وہ بے معنی و بے مقصد امور کو چھوڑ دے" چنانچہ میں قصیدہ بردہ کی شرح کے لئے کمربستہ ہوا۔ جو اہل علم و اہل معرفت کے نزدیک بہت بابرکت ہے۔ میں نے قصیدہ کی شرح کا نام عطر الوردہ رکھا۔"

مولانا ذوالفقار علی نے اس قصیدہ کی شرح بھی اسی طرز پر کی ہے جس طرز پر الحماسہ، سبع المعلقات اور المتنبی کی شرحیں لکھی ہیں۔ البتہ اس قصیدہ کی شرح میں عشق نبوی صلی اللہ علیہ وسلم نمایاں نظر آتا ہے۔ مولانا اصغر حسین صاحب رقم طراز ہیں: "مولانا ذوالفقار علی نے قصیدہ بردہ و بانت سعاد کی شرحیں عطر الوردہ اور الارشاد جس ذوق و شوق سے تحریر فرمائی ہیں وہ حب نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی علامت اور بہترین ذخیرہ آخرت و کمال ایمان کی دلیل ہیں"[2]

۷۔ الارشاد - شرح قصیدہ بانت سعاد: یہ ابو عقبہ، کعب بن زہیر بن ابی سلمی المزنی کے قصیدے کی شرح ہے۔ اس کے دو ایڈیشن ۱۹۰۰ء اور ۱۹۲۴ء میں مطبع مجتبائی دہلی سے چھپے۔ مولانا اس کے دیباچے میں فرماتے ہیں۔

۱۔ تسہیل البیان ص ۳ ۲۔ حیات شیخ الہند ص

"مجھے آج کل اتفاق سے قصیدہ بانت سعاد کی شرح جو امام شیخ ابراہیم باجوری کی تالیف ہے مل گئی ہے۔ یہ شرح نہایت لطیف اور عمدہ ہے۔ اس لئے میں نے اس کا بقدر ضرورت پہلے عربی میں خلاصہ اور پھر امام ابن ہشام کی شرح سے مختلف چیزیں لے کر اس میں مزید معلومات کا اضافہ کردیا ہے۔ اور پھر اہل علم کے فائدے کے لئے اشعار کا اردو میں ترجمہ و شرح بھی کر دی ہے۔

۴- الہدیۃ السنیۃ ۔ مولانا ذوالفقار علی کی یہ تصنیف مطبع مجتبائی دہلی سے، ۱۳۰۵ھ میں چھپی۔ یہ کتاب عربی میں ہے۔ اس کتاب میں مولانا نے دارالعلوم دیوبند کے قیام۔ مولانا مملوک علی۔ مولانا محمد قاسم نانوتوی۔ حاجی عابد حسین مولانا محمد یعقوب نانوتوی۔ مولانا رفیع الدین۔ مولانا رشید احمد گنگوہی اور دیوبند کے قصبہ کا ذکر نہایت ہی اچھے انداز میں کیا ہے۔ اس کتاب کو دیکھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ مولانا کو عربی نثر و نظم میں کتنا کمال حاصل تھا۔

مولانا کی نثر میں روانی اور سادگی پائی جاتی ہے۔ اس کے علاوہ ان کے پاس الفاظ کا بہت بڑا ذخیرہ نظر آتا ہے انہیں عربی زبان پر ماہرانہ دسترس حاصل ہے وہ رموز کلام سے باخبر ہیں۔ ان کا اسلوب عہد عباسیہ کے آخری دور کے اسلوب سے ملتا جلتا ہے۔ عربی نثر کے علاوہ مولانا ذوالفقار علی کو عربی شاعری میں بھی کمال حاصل تھا۔ آپ نے جو قصائد و مراثی لکھے ہیں ان سے عجمیت کا احساس تک نہیں ہوتا۔ آپ کا کلام تصنع سے پاک اور بے ساختہ ہے۔ آپ نے ۱۲۹۷ھ میں مولانا محمد قاسم نانوتوی کا مرثیہ اور اس کے علاوہ مولانا محمد احسن نانوتوی کا مرثیہ لکھا۔ ان مراثی کو دیکھ کر آپ کی شعری قابلیت کا بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے۔

آپ نے مدح میں بھی شعر [illegible] سلطان عبدالحمید کی مدح بہت مشہور ہے۔

عربی شاعری کے علاوہ [illegible] نے فارسی میں بھی اشعار کہے ہیں۔ مولانا محمد قاسم نانوتوی کا فارسی میں مرثیہ آپ کے فارسی زبان پر قادر ہونے کی دلیل ہے۔ آپ کی تصانیف کے مطالعہ سے آپ کے علم و ادب کے اعلیٰ مقام کا بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے۔

ملٹری انجینئر سروسز ٹنڈر نوٹس

۱۔ ڈائریکٹر ورکس اینڈ چیف انجینئر ڈیفنس پروڈکشن ۔ ای این سی برانچ ، جی ایچ کیو راولپنڈی کو ایچ آر ایف (پی - ۱۱۷) ٹیکسلا کینٹ میں طلبہ کے لئے ایک سیکنڈری اسکول کی تعمیر کے لئے ٹنڈروں کے اجراء کے لئے درخواستیں مطلوب ہیں۔

۲۔ فرمیں / ٹھیکیداران منظور شدہ اے کیٹگری (نوملٹ) ایم ای ایس یا دوسرے سرکاری اداروں ، جو اس نوعیت کے کاموں کا تجربہ بھی رکھتے ہوں۔ صرف درخواست دے سکتے ہیں۔

۳۔ ایم ای ایس کی منظور شدہ لسٹ پہ اندراج نہ رکھنے والے ٹھیکیداروں / فرموں کو اپنی درخواستوں کے ساتھ متعلقہ ڈیپارٹمنٹ میں مجوزہ لسٹ میں اپنے اندراج کا ثبوت ۔ بنک سرٹیفکیٹ کے ساتھ مستحکم مالی حالت کے لئے ایک سٹیٹمنٹ ۔ تفاصیل ملازمت میں رکھے گئے سٹاف تفصیل ٹولنا اور پلانٹس اور سابقہ تجربہ مع تفاصیل اور نوعیت کام جو گذشتہ دو سالوں کے درمیان کئے گئے ہوں یا اس وقت جاری ہوں درج ذیل پروفارما پہ جو کہ کسی حاکم مجاز سے باقاعدہ تصدیق شدہ ہوگا۔ فراہم کرنا ہوگا۔

۴۔ ایم ای ایس کی منظور شدہ لسٹ پہ اندراج نہ رکھنے والے ٹھیکیداروں کو ۵۰۰/- روپے بطور زر بیعانہ بصورت ایف ڈی آر کال ڈیپازٹ بحق ڈی ڈبلیو اینڈ سی ای (ڈی پی) راولپنڈی پیش کرنا ہوں گے۔ جو کہ شہرت یافتہ ٹنڈر کی وصولی کی صورت میں قابل واپسی ہوگا۔

۵۔ درج ذیل معلومات کے بغیر یا زر ضمانت کے بغیر درخواستیں قابلِ غور نہیں ہوں گی۔

نمبر شمار	گذشتہ دو سال کے دوران کئے گئے اور اس وقت جاری کاموں کے نام	ایجنسی یعنی پی ڈبلیو ڈی / پی ڈبلیو آر / سی ڈی اے وغیرہ	لاگت کام	مدت تکمیل مہینوں میں	اصل مدت تکمیل کام	جاری کاموں کی پروگریس	انجینئر انچارج کی طرف سے ہر ایک کام پہ ڈیپارٹمنٹ کی پرفارمینس رپورٹ

PID(I) 1057/81

پاکستان ریلوے ٹینڈر نوٹس

چیف انجینئر / ریلوے مینوفیکچر پاکستان ریلوے ہیڈ کوارٹرز آفس لاہور کو شاہین آباد۔ کوہاٹ کینٹ۔ کوٹری اور خانیوال کے مقامات پر کنکریٹ سلیپر فیکٹریز میں سیلنڈ اور صبغوں فراہم کرنے کے لئے تحریری ریٹس کی اساس پر سربمہر ٹنڈر مطلوب ہیں۔ تخمینہ لاگت درج ذیل ہے:-

لوکیشن	لاگت	زرامانت
کنکریٹ سلیپر فیکٹری شاہین آباد	۳۴۵۰۰۰/- روپے	۶۹۰۰/- روپے
" " کوہاٹ	۳۴۰۰۰۰/- روپے	۶۸۰۰/- روپے
" " کوٹری	۳۴۰۰۰۰/- روپے	۶۸۰۰/- روپے
" " خانیوال	۱۳۲۰۰۰/- روپے	۲۶۴۰۰/- روپے

ٹینڈر ۳ / اگست ۱۹۸۳ء تک چیف انجینئر / ریلوے مینوفیکچر / سی۔ایس۔ایف پاکستان ریلوے ہیڈ کوارٹرز آفس لاہور اور ورکس منیجر / سی ایس ایف پاکستان ریلوے شاہین آباد۔ کوہاٹ۔ کوٹری اور خانیوال سے خریدے جا سکتے ہیں۔

یہ ٹینڈر ۴ / اگست ۱۹۸۳ء کے ۱۱ بجے دن تک وصول کئے جائیں گے۔ اور اس کے فوری بعد کھولے جائیں گے۔

چیف انجینئر

آر۔ایم

PID(I) 7/79

شیخ الازہر شیخ محمد طیّب النجار
ضبط و ترجمہ : مولوی اصلاح الدین ڈیروی متعلم دار العلوم حقانیہ

دار العلوم میں شیخ الازہر کا خطاب

۱۲ر فروری ۱۹۸۴ء جامعۃ الازہر مصر کے وائس چانسلر شیخ محمد طیّب النجار قاہرہ یونیورسٹی کے وائس چانسلر شیخ حسین حمدی ابراہیم اور اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد کے وائس چانسلر حسن حامدی دار العلوم حقانیہ تشریف لائے۔ جامعۃ الازہر کے وائس چانسلر شیخ محمد طیب النجار نے استقبالیہ تقریب میں حسب ذیل خطاب فرمایا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمد اللہ سبحانہ وتعالیٰ ونصلی ونسلّم - علی انبیاء ورسلہ وعلی خاتمھم سیدنا محمد بن عبد اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

اما بعد :- فضیلۃ الشیخ الجلیل والعالم الکبیر شیخ عبد الحق حیّاہ اللہ تعم وبارک فیہ وغفر لہ ما تقدم من ذنبہ وما تأخر وجعلہ مع الانبیاء والصدیقین والشہداء والصالحین

انّنی فی ھذا الیوم المبارک اعود بالذاکرۃ الی ما عرفناہ علی الازھر الشریف منذ النشاءہ الی اوائل ھذا القرن العشرین - وقد کان یسیر علی ھذا المنھج الذی تسیرون علیہ وکان

ترجمہ

بعد الحمد والصلوٰۃ

اللہ تعالیٰ شیخ جلیل، عالم کبیر جناب شیخ عبد الحق صاحب کو عمر دراز عطا فرمائے۔ اور ان کی زندگی میں برکت دے ان کے اگلے پچھلے سارے گناہ معاف فرمائے اور انہیں قیامت کے روز انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین کے زمرہ میں شامل فرما کر اپنے نیک بندوں کے لئے خاص کردہ ابر رحمت کے سایہ میں جگہ دے۔

آج کے مبارک دن میں میرا حافظہ مجھے جامعہ ازہر کے ان حالات کی یاد دلاتا ہے جو اس کے یوم تاسیس سے لے کر بیسویں صدی کے اوائل تک قائم رہے۔ ان دنوں جامعہ ازہر کا بھی یہی طریق کار تھا جس پہ آج تم گامزن

التعلیم فیہ ابتدائیًا وثانویًا وعالیًا یدخل فیہ الطالب منذ مفجر حیاتہ ولا یخرج منہ الا وقد استکمل علمًا وتربیۃً وتہذیبًا و تادیبًا لینفع اللہ بہ الناس ولیکون من العلماء الذین قال عنھم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان الملئکۃ لتضع اجنحتھا لطالب العلم فرحًا بہ وان العلماء ورثۃ الانبیاء وان العلماء لم یورثوا دینارًا ولا درھمًا وانما ورثوا العلم فمن اتاہ اللہ العلم فقد اوتی حظًّا عظیمًا

صدق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

ھذا المعنی والذی شعرت بہ حینما جئت لزیارتکم الان -

وانی سمعت من احد المتکلمین الان انہ یقول اننا لم نقدم شیئًا ولکنکم والحمد للہ قد قدمتم کل شیئ قدمتم المشاعر العظیمۃ قدمتم ھذا اللقاء الکبیر الذی یقابل بہ الابناء دائمًا آباءھم۔ الابناء البررۃ یقابلون بہ آباءھم المخلصین قدمتم ھذا النشید الجمیل الاسلامی الذی ملاء قلوبنا روعۃ وجلالًا واحسستا رھبتی والخشوع للہ سبحانہ وتعالٰی۔

رأینا فیکم الازھر الذی بدأ منذ الف عام ونأمل فی المستقبل ان شاء اللہ ان یروا ابناءنا ان شاء اللہ ان یروا ھذا

ہو۔ وہاں بھی ابتدائی ثانوی اور اعلیٰ تعلیم کا انتظام تھا۔ اپنے عنفوانِ شباب میں داخل ہونے والا طالب علم جب فارغ التحصیل ہوتا تو علم و تربیت کے زیور سے آراستہ ہوتا۔ وہ تعلیم و تادیب میں کامل ہو کر اس قابل ہوتا کہ عامۃ الناس کو فائدہ پہنچا سکے۔ اور اس کا شمار ان علماء میں ہونے لگتا جن کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ طالب علم کے پاؤں تلے ملائکہ مسرت سے پاؤں تلے پر بچھاتے ہیں۔ اور یہ کہ علماء انبیاء کے وارث ہوتے ہیں۔ جب کہ انبیاء کی میراث اور روپیہ پیسہ نہیں ہوا کرتی۔ بلکہ ان کی وراثت او رترکہ علم کی دولت ہے۔ پس جسے اللہ تعالیٰ نے علم عطا فرمایا اسے بڑی دولت مل گئی۔ صدق رسول صلی اللہ علیہ وسلم۔ بالکل وہی حالت میں نے آج آپ کی ملاقات کے موقع پر محسوس کی۔

اور میں نے ابھی ایک صاحب کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ ہم تمہارا استقبال شایانِ شان طریقہ سے نہ کر سکے۔ لیکن الحمدللہ آپ حضرات نے ہمیں ہر چیز سے نوازا۔ آپ نے اپنے عظیم احساسات کا اظہار کیا۔ ہمارا ایسا اعزاز و اکرام کیا۔ جس طرح کہ شریف بیٹے اپنے مخلص آباء و اجداد کا کیا کرتے ہیں۔ آپ نے جن پرجوش اسلامی نعروں سے ہمارا خیر مقدم کیا اس سے ہم متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ اور آپ حضرات کی عظمت و جلالت قدر ہمارے دلوں میں بیٹھ گئی۔

ہم نے تمہارے ہاں ازہر قدیم کی سی رونق دیکھی۔ جس کا آغاز ایک ہزار سال قبل ہوا تھا۔ اور مستقبل

المعهد وقد اصبح يشبه الازهر في
الساعه وفي نموه وفي علوه وشموخه
ان شاء الله تعالى وفي اداءه لرسالة الاسلام
في كل مكان من ارض الله الواسعة ان الحكمة
تقول اطلبوا العلم فان كنت فقيراً كان
العلم لك مالاً وان كنت غنياً كان العلم
لك جمالاً وان كنت يتيماً كان العلم لك
اباً وخالاً - والعلم هو اشرف شيئ يقصده
القاصدون والعلم هو اول شيئ نبي
عليه السلام وان اول آية نزلت في القرآن
الكريم - انما تشير الى العلم والى فضله
والعلم الذي يبدأ بالقرأة ثم ينبثث
العلم منها حينما نزلت اول آية كريمه

بسم الله الرحمن الرحيم

اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ ۝ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۝ اِقْرَأْ وَ رَبُّكَ الْاَكْرَمُ ۝ الَّذِيْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۝ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ۝

اطلبوا العلم باخلاص ايها الابناء
اطلبوا العلم باخلاصٍ وجدٍّ وكفاح
فان العلم هو السلاح القوى الذى
لا يفلّ ابدا واجعلوا من انفسكم ارضاً
طيبة ينبت الله فيها الخير للامة
الاسلامية وان رسول الله صلى الله عليه
وسلم يقوله مثل ما بعثنى الله به

ہیں ہمیں توقع ہے کہ ہماری نسلیں انشاء اللہ اس
ادارے کو وسعت و ترقی اور رفعت و برتری ہیں -
اور اسلام کے پیغام کو اللہ تعالیٰ کی وسیع و عریض زمین
کے ہر حصہ تک پہنچانے میں جامعہ ازہر کا ہم پلہ پائیں
گی - داناؤں کا مقولہ ہے کہ علم حاصل کرو - اگر فقیر ہو
تو علم تمہارے لئے دولت بن جائے گا - اگر مالدار ہو
تو علم تمہارے لئے زینت بن جائے گا - اور اگر یتیم ہو -
تو علم تمہارے لئے مربی و سرپرست ہے - لوگ جن
امور کے حصول کا عزم کرتے ہیں ان سب میں علم برتر
ہے یہی وہ چیز ہے جس پر اسلام کی بنیاد رکھی گئی
ہے - سب سے پہلے نازل شدہ والی آیات میں علم اور اس
کی فضیلت کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے - اور علم بھی وہ
علم جس کی ابتدا قرأت سے ہوتی ہے اس کے بعد
پھیل جاتا ہے - وہ آیات یہ ہیں -

عزیزو! دل لگا کر پڑھو، محنت اور جانفشانی
سے علم حاصل کرو - کیونکہ علم کبھی کُند نہ ہونے والا ہتھیار
ہے - اور اپنے آپ سے وہ زرخیز کھیتی بنا دو جس
میں اللہ تعالیٰ امت مسلمہ کے لئے خیر اگائے - رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
فرماتے ہیں کہ " جس علم و ہدایت کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے
مجھے مبعوث فرمایا ہے اس کی مثال زمین پر برسنے
والی زوردار بارش کی ہے جس کے برسنے کے بعد زمین
کا زرخیز خطہ اس کے پانی کو جذب کر لیتا ہے اور خوب
سبزہ اگاتا ہے (الی آخر الحدیث) میں حدیث کو آخر
تک بیان کرنا نہیں چاہتا - کیونکہ اس کے آخر میں ان
لوگوں کی مذمت کی گئی ہے جو علم کی حقیقت کو نہیں سمجھتے

من الهدیٰ و العلم کمثل الغیث الکثیر اصاب ارضاً فکان منہا نقیۃ قبلت الماءَ فانبتت الکلاء والعشب الکثیر فانتم الی آخر الحدیث لا ارید ان اکمل لان آخر الحدیث انّما یشیر الی قومٍ لم یفقہوا العلم و انما ارید ان اکتفی بالفقرۃ الاولیٰ من الحدیث لانہا تشیر الی الذین نزل الی قلوبہم العلم کما ینزل الغیث الی الارض الطیبۃ النّقیّۃ فتنبت الکلاء و العشب الکثیر۔ ارجو منکم تقرءُوا العلم تقرءوا بقلب واعٍ و بنفس مؤمنۃ مطمئنّۃ و بایمان راسخ متمکن فی قلوبکم حتیٰ ینبت لکم الخیرا الکبیر الذی یصعدکم انشاءاللہ فی دنیاکم و آخرتکم اللّٰھم انی اسئلک ان تجملنا بالعلم - اللّٰھم جمّلنا بالعلم یا ربّ العالمین اللّٰھم اجعلنا من العلماء الذین یرفعون رایۃ العلم - اللّٰھم وفقنا لما تحبّہ و ترضاہ یا اکرم الاکرمین و صلی اللہ علی سیّدنا محمد النبی الامی و علی آلہ وصحبہ وسلم - والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ٭

میں صرف ابتدائی جملہ پر اکتفا کرتا ہوں۔ کیوں کہ یہ جملہ ان لوگوں کی مدح میں ہے جن کے دل تک علم پہنچ گیا ہے۔ جس طرح کہ ایک زرخیز زمین سے اچھی اور زیادہ فصل اگتی ہے۔

مجھے امید ہے کہ علم حاصل کرتے ہوئے آپ حضرات کے حوصلے بلند ہوں گے۔ اطمینان قلب اور ایمان راسخ کے ساتھ علم حاصل کرو گے۔ تاکہ جو علم آپ حاصل کرتے ہیں وہ آپ کی بھلائی اور دین و دنیا میں سرخروئی و رفعت کا سبب ہو۔

اے اللہ ہمیں علم کے زیور سے آراستہ فرما۔

اور اے اللہ ہمیں علم کا علم بردار بنا۔ اور ہمیں ان اعمال کی توفیق عطا فرما۔ جو آپ کے ہاں محبوب و مقبول ہوں یا ارحم الراحمین۔

تبرکات و نوادر
غیر مطبوعہ خطوط

شیخ الادب مولانا اعزاز علی کے مکاتیب

بنام ـ مولانا عبد الرؤف فاضل دیوبند، ترناب، چارسدہ

(۱) برادر عزیز زید مجدکم السلام علیکم۔ پس از تحیۂ مسنونہ۔ آپ کا خط آیا یہ معلوم ہو کر خوشی ہوئی کہ آپ برسرِ کار ہیں بے کار نہیں ہیں آپ یقین کریں کہ میری رائے یہ ہے کہ جس عالم کا علم خداوند عالم مقبول قرار دیتا ہے اس کو اشاعت علم کی توفیق دیتا ہے۔ اور اس کے اسباب مہیا کر دیتا ہے۔ اس سلسلہ سے محرومی میرے نزدیک غیر مقبولیت کی علامت ہے۔ الحمد للہ ثم الحمد للہ کہ آپ علوم دینیہ کی اشاعت میں اب بھی مصروف ہیں سعی فرمائیے کہ یہ لوگ آپ کی وجہ سے ہدایت و رشد حاصل کریں۔ لان یہدی اللہ بک رجلا خیر لک من حمر النعم

مشاغبین یہ ہمیشہ علما کے مقابلہ میں جہاد کرتے رہے ہیں۔ ان کی یہ جبلی عادت ہے۔ آپ اس سے بالکل متاثر نہ ہوں۔

ولا یحیق المکر السیئ الا باہلہ۔

حامد میاں سلام عرض کرتے ہیں ——— محمد اعزاز علی از دیوبند ۲۵ ربیع الثانی ۶۳ھ

(۲) جناب محترم زید مجدکم السلام علیکم۔ پس از سلام مسنون۔ عرصہ سے آپ کی خیریت معلوم نہ ہوئی۔ اس وجہ سے فکر ہے امید ہے کہ خیریت مزاج عالی سے مطلع فرما کر ممنون فرما دیں گے۔ آپ کے جانے کے بعد مدرسہ رحمانیہ کا حال کچھ ایسا بگڑا کہ اس کا درست ہونا دشوار ہو گیا ہے جس کا افسوس ہے۔ میں بحمد اللہ خیریت سے ہوں بعض خلجانات ہیں مقدرات الٰہیہ فیصلہ کر دیتے ہیں اس لئے پریشان ہوں۔ امید ہے کہ آپ اپنی ادعیۂ مستجابہ سے میری امداد فرماتے رہیں گے۔

بخدمت جناب مولانا مولوی محمد یوسف صاحب سلام مسنون۔ برخوردارم قاری حافظ احمد میاں اور حامد میاں سلمہما سلام عرض کرتے ہیں۔

محمد اعزاز علی ـ ۱۵ جمادی الثانی ۱۳۶۵ھ

(۳) عزیز مکرم زید مجدکم السلام علیکم۔ پس از سلام مسنون۔ آپ کا خط آیا۔ حالات معلوم ہو کر اطمینان ہوا۔ آپ رڑکی ہی گئے تو کم سے کم شرف ملاقات حاصل ہو جایا کرتا تھا۔ اس قدر بعد کے باوجود بھی وہی عادت ہے۔ دل چاہتا ہے کہ حالات معلوم ہوتے رہیں۔ الحمد للہ کہ آپ نے توجہ فرمائی۔ آپ یقین کریں کہ میں جب کبھی یہ سن لیتا ہوں کہ آپ حضرات خیریت سے ہیں یا یہ کہ مشاغل علمیہ میں مصروف ہیں۔ اس لئے یہ سن کر بہت خوشی ہوئی کہ آپ اس مرتبہ ترمذی

شریف جلد ثانی پڑھا رہے ہیں۔ بارک اللہ لک وعلیک وفیک۔ میں متمنی ہوں کہ آپ بھی میرے حسن خاتمہ کی دعا فرماویں۔ بخدمت جناب مولانا مولوی محمد یوسف بنوری زید مجدہ سلام مسنون معروض ہے۔

دعاگو اور طالب دعا: محمد اعزاز علی از دیوبند۔ رجب ۱۳۶۹ھ

(۴) عزیز مکرم زیدت معالیکم۔ پس از سلام علیکم۔ آپ کا خط آیا تھا جس سے بخیر ڈابھیل پہنچنے کا حال معلوم ہو گیا تھا اس کے بعد مرسلہ تیس روپے بھی مل گئے۔ آپ کے اسباق کی فہرست دیکھ کر دل بہت خوش ہوا۔ دعا ہے کہ اللہ میاں اس سے زیادہ اور ترقی عطا فرمائے۔ آمین

حضرت مولانا مدنی وجع الرکبتین کی وجہ سے علیل تھے۔ بالآخر رائے ہوئی کہ مسہل لیں۔ دس پندرہ روز تک منضج ہوئے۔ اس کے بعد کل دوسرا مسہل تھا۔ تیسرا مسہل غالباً اتوار کو ہوا۔ درد میں بڑی حد تک کمی ہے۔ سنا ہے کہ حضرت مولانا محمد یوسف صاحب بنوری پاکستان تشریف لے گئے۔ احمد میاں اور حامد میاں سلمہما سلام عرض کرتے ہیں۔

محمد اعزاز علی از دیوبند۔ یوم عرفہ ۱۳۶۹ھ

(۵) برادر عزیز زیدت معالیکم۔ پس از سلام مسنون۔ آپ کا خط آیا۔ خدا کرے کہ ایسی ضرورتیں پیش آتی رہیں کہ آپ خط لکھنے کی تکلیف گوارا کرنے پہ مجبور رہوں۔ برادرم مولانا اسرار الدین صاحب کی سند تو تیار ہو گئی۔ اساتذہ کے دستخط باقی ہیں۔ دو چار دن کے بعد روانہ ہو جائے گی۔ مگر مجھ کو نہایت ادب کے ساتھ آپ سے اس قدر عرض کرنا ہے کہ جب یہ قاعدہ جاری ہو گیا کہ شہادتوں کی بنا پر تعلیمات کے رجسٹر ناقابل اعتبار ہو سکتے ہیں تو پھر یہ ایسا دروازہ کھلے گا کہ ہم جیسے خدام کو اس کا بند کرنا دشوار ہو گا۔ طلبا کی بات تو آپ مجھ سے زیادہ جانتے ہیں وہ ہر بات میں شہادتوں کو پیش کر سکتے ہیں۔ تو اس حساب سے تعلیمات کا دفتر بالکل بے کار ہے۔ میں آپ سے عرض کرتا ہوں مولانا عبدالحق نافع کو میں نے جواب نہیں دیا۔ صرف اس ڈر سے کہ وہ غضب میں مشتعل ہو کر اس کی پروا نہیں کرتے ہیں کہ میرا مخاطب کون ہے۔ آپ کے حکم کی تعمیل تو کر دی ہے مگر براہ کرم کچھ قواعد اور ضوابط کا لحاظ رکھنا بھی ضروری خیال فرماویں۔ محمد اعزاز علی۔ دیوبند

(۶) عزیز مکرم زیدت معالیکم۔ السلام علیکم آپ کا خط آیا۔ حالات معلوم ہوئے۔ اگر شوال میں ٹھہرنا ہو تو اپنے ارادہ کو ضرور پورا کر لیجئے۔ بڑے جلسہ کی بھی مستقل قریب میں حضرت شیخ مدنی مدظلہ کے آنے کی تاریخ ابھی تک متعین نہیں ہو سکی۔ امید ہے کہ ۱۵ شوال کے اندر اندر تشریف لے آویں گے۔

میں اچھا ہوں۔ قاری حافظ احمد میاں۔ مولوی حامد میاں سلمہما سلام عرض کرتے ہیں۔

از اعزاز علی غفرلہ ۲۶ رمضان المبارک ۷۰ھ

(۷) برادر عزیز زید معالیکم۔ پس از تحیہ مسنونہ آپ کا خط آیا تھا۔ اس خیال میں جواب بعجلت روانہ نہ کر سکا کہ حضرت مولانا مدنی سفر بہار سے تشریف لے آویں تو آپ کا خط ان کی خدمت میں پیش کروں۔ حضرت ممدوح تشریف لائے۔ مگر

جلد ہی اطراف بمبئی کا سفر شروع کر دیا۔ غالباً آپ ان سے مل چکے ہوں گے۔ اور جمیع حالات زبانی گوش گزار کر
دئے ہوں گے۔ مجھے یقین ہے کہ مشار الیہ کے خط کا اثر حضرت پر بالکل نہ ہوا۔ میں آپ کا خادم اور دعا گو حسن خاتمہ
کی درخواست کا خواستگار ہوں۔

محمد اعزاز علی عفی عنہ۔ از دیوبند ۹ ربیع الثانی ۷۳ھ

(۸) عزیز مکرم زیدت معالیکم۔ السلام علیکم۔ آپ کا خط آیا یہ معلوم ہو کر بڑا افسوس ہوا کہ جامعہ اسلامیہ ڈابھیل
سے آپ نے تعلقات منقطع کر لئے۔ جب تک آپ ڈابھیل کے مدرسہ میں تھے کچھ خیریت باقی تھی آپ کی علیحدگی
سے خیریت بالکل مفقود ہوگئی۔ مولوی سید انظر شاہ صاحب کے متعلق آپ نے جو کچھ فرمایا تھا میں نے ان کو
حرف بحرف دکھلا دیا ہے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ اس نے کبھی ڈابھیل جانے کا ارادہ ہی نہیں کیا۔ اس واسطے آپ
اطمینان رکھیں آپ کا تعطل میرے لئے پریشان کن ہے۔ خداوند عالم آپ کو اس ابتلاء میں نہ ڈالے۔ آمین والسلام

محمد اعزاز علی غفرلہ ۲۳ رمضان المبارک ۷۲ھ

(۹) برادر عزیز زید معالیکم۔ بس از سلام مسنون۔ آپ کا خط آیا۔ سوانح فاجعہ کا حال معلوم ہو کر صدمہ ہوا۔ خداوند
عالم مرحومین کی مغفرت اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرماویں۔ آمین
اس کے ساتھ اس کی خوشی بھی ہے کہ آپ کے طرز تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے اس ابتلاء کا مقابلہ پوری
پامردی کے ساتھ کیا۔ دعا ہے کہ خداوند عالم آپ کو صحت عافیت کے ساتھ حیات طویلہ عطا فرما کر اپنی مرضیات
کی توفیق عطا فرماویں۔

آپ نے تحریر فرمایا ہے کہ میں کچھ طلبہ رڑکی کے مدرسہ کے لئے روانہ کردوں۔ سو حالت یہ ہے کہ تقریباً ڈیڑھ
سال سے میرا تعلق تعلیم سے نہیں ہے۔ پہلے تعلیمی تعلق تھا تو طلبہ میرے پاس آتے تھے ان میں سے جو لوگ دار العلوم کی
امداد سے کسی وجہ سے محروم رہتے تھے ان کو مشورہ دے دیا کرتا تھا کہ تم فلاں جگہ چلے جاؤ مگر اب یہ صورت نہیں
رہی۔ اس لئے طلبہ میرے پاس بہت کم آتے ہیں۔ تاہم اگر ممکن ہوا تو ارشاد عالی کی تعمیل کروں گا۔
حضرت مولانا مدنی اب تک دیوبند تشریف نہیں لائے ہیں۔ حضرت مولانا محمد جلیل صاحب تشریف لے آئے ہیں۔

محمد اعزاز علی غفرلہ از دیوبند ۲۱ر شوال ۱۳۷۱ھ

(۱۰) عزیز مکرم۔ زید معالیکم۔ السلام علیکم۔ آپ کا خط آیا۔ آپ کی ہمدردی کا شکر گذار ہوں۔ مرنے والوں کے مرنے پر
افسوس کرنے کے بجائے اگر خدا توفیق دے تو اپنے سفر آخرت کو پیش نظر رکھنا چاہئے۔ اس میں شک نہیں کہ اس حادثہ
نے میرے لئے بعض جدید خلجانات پیدا کر دئے ہیں۔ مگر جو ذات کہ ہم پر ماں باپ سے بدرجہا زیادہ شفیق ہے اس کو
قدرت ہے کہ اس کو دفع کر دے۔
حضرت مولانا مدنی عمت فیوضہم کی صاحبزادی کا انتقال بھی اسی ہفتہ میں ہو گیا ہے۔ حضرت ممدوح نے اپنی

رضا بالقضا کا نمونہ ہم سب پیش کر رہا ہے۔ پرسوں حضرت مہتمم صاحب دارالعلوم تشریف لے آئے ہیں۔ اسٹیشن پر ان کا شاندار استقبال ہوا۔ مبارک بادی کا جلسہ بھی تھا۔

بخدمت جناب مولانا مولوی محمد یوسف بنوری سے سلام عرض ہے۔ اور یہ بھی فرما دیں کہ میرے لئے یہ بات معمولی نہیں ہے۔ کہ آپ جیسے اصحاب فضل کو میری کیفیت سے تکلیف ہوتی ہے۔ خداوند عالم آپ کو جزائے خیر عطا فرماوے۔ آمین والسلام

محمد اعزاز علی غفرلہ ۱۳ ربیع الاول ۷۰ھ

(۱۱) برادر عزیز زید معالیکم

پس از تحیۂ مسنونہ آپ کا خط بہت اچھے وقت پر ملا۔ مولانا محمد نفی صاحب دیوبند تشریف لائے ہوئے تھے ارادہ تھا کہ حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب کو یا مولانا ظہور احمد صاحب کو لے جاویں۔ اس سے مایوسی کے بعد انہوں نے دوسرے اہل کمال کو ڈھونڈا۔ آپ کے خط کی وجہ سے میں نے اپنے کسی دوست کو ان کے ہمراہ جانے کی رائے دی انہوں نے از خود ہی تین صاحبوں (ایک مدرس اول، ایک مدرس دوم اور ایک قاری صاحب) کا انتخاب کیا۔ یہ قافلہ دو چار روز بعد روانہ ہونے والا تھا کہ ڈابھیل سے ذمہ داران مدرسہ میں سے کسی کا خط آگیا۔ جس سے ان کو بہت رنج ہوا۔ اور سب کچھ چھوڑ کر ڈابھیل واپس ہو گئے۔ فرما گئے ہیں کہ وہاں پہنچ کر سب کو بلواؤں گا۔ آپ کی پریشانیوں کی خبر تکلیف دہ ہے۔ ع چناں نماند چنیں نیز ہم نخواہد ماند۔

آپ نے حضرت مولانا محمد نفی صاحب کے متعلق کسی نئے خیال کا اظہار نہیں فرمایا اور ان کے یہ اوصاف حسنہ مجھ کو پہلے سے معلوم ہیں۔ وہ بچپن ہی سے دیوبند میں رہے ہیں۔ فاضل دارالعلوم ہو کر باہر ملازمت کی ہے۔ بلکہ اب تک بھی آپ کو ان تمام اوصاف کا پتہ نہیں ہے۔ بلکہ "عرفت بعضها وتخفى عليك جلها"۔

میں اچھا خاصا ہوں اس مرتبہ کوئی ایسا مرض بھی نہیں ہوا کہ چارپائی پر پڑ جاتا۔ اور اسباق ناغہ کرتا۔ فالحمد للہ علی ذالک حضرت مولانا مدنی دامت فیوضہم (آج بارہ دن ہوئے کہ) سفر بہار پر ہیں۔ شاید ایک ہفتہ کے بعد تشریف لے آویں۔ میں آپ کا دعاگو ہوں اور حسن خاتمہ کی دعاؤں کا خواستگار رہوں۔

محمد اعزاز علی امروہی غفرلہ

(۱۲) برادر عزیز زید معالیکم۔ پس از تحیۂ مسنونہ آپ کے حالات معلوم ہونے کا خیال تھا۔ پوری حالت کسی سے معلوم نہ ہوتی تھی۔ خدا کا شکر ہے کہ آپ نے توجہ فرمائی۔ میں آپ کو آپ کی کامیابی بلکہ حق کی فتح پر مبارک باد دیتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ آپ کی عزت اور مدارج میں اسی طرح ترقی عطا فرماوے۔ اس سلسلہ میں بخاری شریف کے شروع کرانے کی خبر بہت زیادہ خوش کن ہے۔ اللہ تعالیٰ مبارک کرے۔ اس خبر کا اظہار حضرت سے ضرور کیجئے۔ اور پہلی فرصت میں کہئے۔

حضرت مدنی ان خدائی رحمتوں میں سے ہیں جو ایسی خبروں سے خوش ہوتے اور دعائیں دیتے ہیں اور ان کی دعائیں ہماری دولت باقیہ ہیں۔

محمد اعزاز علی از دیوبند۔ ذیقعدہ ۱۲۷۴ھ

عزیز مکرم۔ زیدت معالیکم۔ پس از تحیہ مسنونہ۔ آپ کا خط آیا۔ آپ کی دعاؤں نے اس قابل کر دیا کہ میں دوستوں کو خط
لکھ سکتا ہوں۔ حضرت مولانا مدنی از حد ضعیف ہو گئے ہیں۔ اور آج شب ہی بخاری جلد ثانی شروع کرادی ہے۔ حضرت
مہتمم صاحب دارالعلوم دیوبند پاکستان میں ہیں۔ اور ان کے متعلق متضاد خبریں ہیں۔ وہاں کے نجی خطوط بتاتے ہیں کہ ان کی
تشریف آوری سے مایوس ہو جانا چاہیے۔ مگر وہ خود اس کے متعلق کیا تحریر فرماتے ہیں اس کا علم دفتر اہتمام یا مجلس
شوریٰ کے ارکان کو ہوگا۔ حضرت مولانا قاری اصغر علی سلام عرض کرتے ہیں۔ محمد اعزاز علی

(۱۴) عزیز مکرم۔ زیدت معالیکم۔ پس از تحیہ مسنونہ۔ آپ کا خط آیا الحمد للہ کہ آپ نے صرف جواب ہی تحریر نہ فرمایا بلکہ
مسارعت کی دعا بھی کی ہے کہ خداوند عالم آپ کو باہمہ محبت و سعادت مندی صحت عافیت کے ساتھ حیات طویلہ عطا
فرما کر مرضیات کی توفیق مزید عطا فرماوے۔ آمین
آپ کے اسباق کو سن کر بہت ہی دل خوش ہوا۔ خداوند عالم کا انعام ہے۔ اور میرے نزدیک مقبولیت کی علامت
ہے کہ طلبہ آپ سے استفادہ کر رہے ہیں ورنہ آج کل تو اچھے اچھے علماء تدریس کی دولت سے محروم ہیں۔ میں آپ کے لئے
دعا گو ہوں۔ مولانا مجاہد خان صاحب۔ مولانا رجب خان صاحب سے بشرط سہولت سلام عرض کردیں۔
میں حسن خاتمہ کی دعاؤں کا محتاج ہوں۔ محمد اعزاز علی از دیوبند۔ یکم جمادی الثانیہ ۷۴ھ

(۱۵) اخی فی الدین زید معالیکم۔ پس از تحیہ مسنونہ۔ عرصہ ہوا کہ آپ کا خط آیا تھا جس سے معلوم ہوا تھا کہ آپ مع الخیر
والعافیہ پہنچ گئے۔ اور اس کے بعد آپ کا کچھ حال معلوم نہ ہو سکا۔ امید کہ اب بھی آپ دارالعلوم اتمان زئی میں
بخاری شریف اور ترمذی شریف وغیرہ بڑی بڑی کتابیں پڑھاتے ہوں گے۔
میں آپ کا دعا گو ہوں۔ آپ سے بھی توقع ہے کہ میرے حسن خاتمہ کی دعا کریں گے۔ حضرت مولانا محمد اسرائیل
صاحب بھی سلام مسنون عرض کرتے ہیں۔
محمد اعزاز علی ۲۰ ربیع الثانی ۷۴ھ از مظفر نگر

از ڈاکٹر محمد حنیف صاحب شعبۂ دینیات۔ اسلامیہ کالج پشاور

حضرت مولانا حافظ عبدالغفور پشاوری قدس سرہٗ

مولانا عبدالغفور، حضرت سیّد آدم بنوری کے خلیفۂ اعظم اور حضرت سعدی لاہوریؒ کے مقبول و منظورِ نظر مرید تھے۔ آپ کا اسمِ گرامی عبدالغفور اور پدرِ عالی قدر کا نام شیخ محمد صالح تھا[1]۔ مولداً کشمیری، مسکناً پشاوری طریقۂ نقشبندی اور حسباً جامع الکمالات ولی اللہ تھے۔

۱۰۵۲ھ کو کشمیر میں آپ کی ولادت ہوئی[2] ایامِ طفولیت ہی سے جبینِ مبارک سے رشد و سعادت کے

---

[1] مفتی غلام سرور لاہوری نے مولانا عبدالغفور کے والد بزرگوار کا نام "محمد صالح" بتایا ہے۔ (خزینۃ الاصفیاء ج ا مطبع نول کشور ۱۲۸۲ھ ص ۶۵۵) مرزا آفتاب بیگ اور اعجاز الحق قدوسی نے بھی یہی نام تحریر کیا ہے۔ (تحفۃ الابرار مطبع رضوی دہلی ۱۳۲۳ھ ص ۳۳، "تذکرہ صوفیائے سرحد مطبع عالیہ لاہور ۱۹۶۶ء ص ۴۱۷) عبدالحلیم اثر ان کا نام صالح محمد بتاتے ہیں (روحانی رابطہ مطبوعہ منظور عام پریس پشاور ۱۹۶۵ء ص ۶۶۳) جناب مولانا امیر شاہ قادری نے عبدالحلیم اثر اور پیام شاہجہانپوری نے مولانا موصوف کی پیروی میں صالح محمد نام لکھا ہے (علماء و مشائخ سرحد مطبوعہ اتحاد پریس لاہور ۱۹۶۴ء ج ا ص ۶۸ "تذکرہ شاہ محمد غوث مطبوعہ دین محمدی پریس لاہور ۱۹۶۵ء ص ۱۶۰) راقم کے نزدیک روحانی رابطہ میں صالح محمد نام کاتب کے سہوِ قلم کا نتیجہ ہے اور اس باب میں غلام سرور لاہوری کے بیان کو ترجیح حاصل ہے۔ کیونکہ ان کی کتاب میں رقم شدہ حضرت حافظ کے حالات معاصرین کی مستند تصانیف سے ماخوذ ہیں۔ واللہ اعلم

[2] مولانا امیر شاہ قادری نے آپ کی تاریخ پیدائش ۱۰۵۲ھ بتائی ہے (علماء و مشائخ سرحد ص ۶۸) پیام شاہجہانپوری نے بھی یہی تاریخ تحریر کی ہے (تذکرہ شاہ محمد غوث ص ۱۶۰) مگر عبدالحلیم اثر نے آپ کی تاریخ ولادت ۱۰۰۴ھ قلم بند کی ہے (روحانی رابطہ ص ۶۶۳) چونکہ ان حضرات میں سے ایک نے بھی ماخذ کا ذکر نہیں کیا ہے۔ اس لئے راجح و مرجوح کا فیصلہ مشکل ہو جاتا ہے۔ راقم الحروف نے صرف قدامت کی بنیاد پر "علماء و مشائخ سرحد" کے بیان کو اختیار کیا ہے۔

آثار تاباں و ہویدا تھے۔ اولیاء اللہ کے ہاں قرب و قبولیت کا شرف حاصل تھا[۱]۔ اور قلب چونکہ ابتداء ہی سے زہد و ورع کی طرف مائل تھا اس لئے صغر سنی ہی سے عمر عزیز کے لمحات بابرکات اپنے خالق و مالک کی عبادت و طاعت میں صرف فرماتے رہے[۲]

آپ کو قرآن کریم کے ساتھ بے حد محبت تھی اور حفظ قرآن کے شوق سے مغلوب تھے یہی وجہ ہے کہ رحمٰن و رحیم خدا نے آپ کا سینہ بے کینہ قرآن مجید کی تلاوت کی دولت بے بدل سے مالا مال فرمایا خود فرماتے ہیں کہ

لڑکپن میں مجھے آشوب چشم کا مرض تھا اور ان ایام میں میں قرآن حفظ کرتا رہتا اس لئے اکثر حضرت سید علی ہمدانی[۳] کی خانقاہ میں حاضر ہوتا اور حصول مطلوب کے لئے دعا کرتا۔ چنانچہ ایک بار خواب میں دیکھا کہ سید موصوف ایک تخت پر جلوہ افروز ہیں اور میں دو اور لڑکوں کے ساتھ تخت کے سامنے کھڑا ہوں اور کہتے ہیں اور ہم تمہارے شاگرد ہیں۔ یہ سن کر حضرت سید ہم کو مخاطب ہوئے اور فرمایا کہ

"آری شما شاگردانِ مائید" ہاں تم ہمارے شاگرد ہو"

فرماتے ہیں کہ واقعہ کے ظہور کے بعد اللہ کے فضل و کرم سے قرآن کریم ازبر ہوا[۴]۔

حضرت حافظ صاحب کی ابتدائی تعلیم و تربیت اپنے والد محترم کے سایہ عاطفت میں ہوئی۔ دینی علوم اور حفظ قرآن سے جب فراغت حاصل کر لی تو مشائخ صوفیہ کی تلاش میں رخت سفر باندھ کر روانہ ہوئے۔ پہلے کشمیر اور سرزمین پنجاب میں گھوم پھر کر صوفیائے کبار سے ملاقاتیں کیں ان کی صحبتوں سے فیض پایا۔ اس کے بعد

۱۔ حضرت میاں محمد عمر چمکنی (م ۱۱۹۰ھ) لکھتے ہیں۔ کہ از صغر سن آثار سعادت از جبین لائح و از اوان صبی شرف قبول بزرگان را در یافتہ اند (ظواہر السرائر (قلمی) از میاں محمد عمر چمکنی ۱۱۱۲ھ ص ۵۸۴)

۲۔ ظواہر صفحہ ۵۸۴، خزینۃ الاصفیاء ج ا ص ۴۶۵ ۳۔ حضرت سید علی ہمدانی قادری قدس سرہ۔ شاہ شہاب الدین بن محمد ہمدانی کے فرزند تھے آپ ۷۱۴ھ کو پیدا ہوئے۔ اشاعت و ترویج دین کے سلسلے میں ۷۸۱ھ میں کشمیر میں ورود مسعود فرمایا۔ ۷۸۶ھ کو مقام کبیر میں داعی اجل کو لبیک کہا۔ اپنے پیر و مرشد حضرت شیخ شرف الدین محمود کی ہدایت پر ربع مسکون کی سیر و سیاحت فرمائی تھی۔ آپ کا مزار کشمیر و بدخشاں کی سرحد پر واقع مقام ختلان میں زیارت گاہ خاص و عام ہے (مزید تفصیلات کے لئے تذکرہ علمائے ہند از رحمان علی لاہوری۔ خزینۃ الاصفیاء ج ۲ اور تحفۃ الابرار ملاحظہ فرمائیں ۴۔ ظواہر السرائر ص ۵۸۴۔ حضرت حافظ عبدالغفور بچپن میں اپنے والد ماجد کے ہمراہ بابا عبدالکریم کشمیری کے مزار پر بھی تشریف لے جاتے اور فاتحہ خوانی کرتے۔ بابا عبدالکریم کا شمار کشمیر کے اولیائے عظام میں ہوتا ہے۔ آپ کا مزار محلہ فتح کدل میں واقع ہے (ظواہر ص ۵۸۶۔ خزینۃ الاصفیاء ج ا ص ۴۶۵)

صوبہ سرحد کی جانب کوچ کیا۔

پشاور میں آمد حضرت حافظ نے جب پشاور میں ورود فرمایا تو قضائے کار اس دور کے نامور صاحب جذب و کرامت بزرگ حضرت مولانا محمد اسماعیل خوردہ فروش کے ساتھ ملاقات ہوئی۔ ان کی صحبت سے بہت متاثر ہوئے، بیعت کا ناطہ جوڑا اور حلقۂ مریدین میں شامل ہوگئے۔

حضرت سعدی لاہوری کے ساتھ ملاقات اور بیعت و خلافت حضرت سعدی لاہوری[۲] کی صحبت میں حضور اور آں جناب سے اذن و خلافت پانے کا بیان کرتے ہوئے آپ خود فرماتے ہیں کہ:-

"سبب وصول و پیوستگی بہ آں حضرت ایں بود کہ ما در مبادی حال بمولانا حاجی محمد اسماعیل علیہ الرحمہ خوردہ فروش ارادت کردیم و اخذ ایں طریقہ علیہ نمودیم پس بتقریبے بہ لاہور رفتیم و در آں فرصت مولانا حاجی محمد اسماعیل نیز در لاہور بودند بنا بر نسبت ارادت کہ بہ ایشاں داشتیم اکثر اوقات شرف ملازمت ایشاں را درمی یافتیم۔ روزی مولانا حاجی فرمودند کہ ما برائے دیدن حضرت ایشاں می رویم تو نیز ہمراہ باشی و چوں در پیش آں حضرت رفتیم بمولانا حاجی بسیار التفات کردند و بغایت رعایت نمودند[۳]"

---

[۱] حضرت مولانا حاجی محمد اسماعیل حضرت شیخ سعدی لاہوری کے خلیفہ اعظم اور باکمال ولی اللہ تھے۔ پشاور شہر میں کریانہ فروشی کا کاروبار کرتے تھے اور اس کاروبار کو قُبالہ حال و قال کا ذریعہ بنایا تھا۔ حرمین شریفین کی زیارت سے مشرف تھے اور سفر حج میں بغداد، کربلائے معلیٰ، بسطام اور بخارا کے بہت سے مشائخ عظام سے فیض پایا تھا۔ ۱۰۹۶ھ میں پیدا ہوئے۔ ابتدا میں حضرت سید آدم بنوری کے ممتاز خلیفہ یار محمد گل دہاری کے ہاتھ پر بیعت تھے۔ بعد ازاں حضرت سعدی لاہوری کی خدمت میں حاضر ہو کر درجۂ کمال پر فائز ہوئے۔ حضرت سعدی کے ساتھ پہلی ملاقات کا حال بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ

"در اثنائے سخناں تصرفے بکار بردند کہ من خود را از ما سوی اللہ فارغ و معطل یافتم"

آنچہ زر می شود از خاصیتش قلب سیاہ   کیمیائیست کہ در حضرت درویشاں است

۵ جمادی الثانی ۱۱۱۱ھ کو وفات پائی آپ کا مزار پشاور شہر میں حافظ عبدالغفورؒ کے پہلو میں واقع ہے۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو ظواہر صہ ۵۵۴، ۵۵۹، ۵۶۲، ۵۷۵ تحفۃ الابرار ص ۴۴

[۲] حضرت شیخ سعدی لاہوریؒ حضرت سید آدم بنوری کے خلفائے اعاظم میں سے تھے۔ ۱۰۳۳ھ کو امین آباد میں اوڈھی کے مقام پر پیدا ہوئے ۳ ربیع الثانی ۱۱۰۸ھ کو وصال ہوا۔ آپ کا مزار لاہور میں بمقام مزنگ واقع ہے۔

[۳] ظواہر صفحہ ۵۸۷

یعنی آں حضرت (سعدی لاہوری) کی صحبت میں وصول و پیوستگی کا باعث یہ ہوا کہ میں ابتدائے حال میں مولانا حاجی محمد اسماعیل خوردہ فروش کا مرید ہوا اور ان سے یہ طریقۂ علیہ (نقشبندیہ) اخذ کیا۔ پس ایک مرتبہ میں کسی کام کے لئے لاہور گیا۔ اس فرصت میں مولانا حاجی بھی لاہور میں تھے ان سے نسبت ارادت کی بنا اکثر اوقات ان کی خدمت میں حاضری دیا کرتا۔ ایک دن مولانا حاجی نے فرمایا کہ ہم حضرت ایشاں (سعدی لاہوری) کی ملاقات کے لئے جاتے ہیں تم بھی ہمارے ساتھ چلو (چنانچہ روانہ ہوئے) اور جب ہم حضرت سعدی کے سامنے آئے تو مولانا حاجی کے ساتھ بہت محبت کا اظہار کیا اور رعایت رعایت سے سرفراز فرمایا۔

فرماتے ہیں کہ جب مولانا حاجی نے واپسی کے لئے اجازت چاہی تو حضرت سعدی فرمانے لگے۔

" باشید تا وقتیکہ طعام ساختہ و مہیا شود پس چیزی بخورید و روید

یعنی ابھی رہیں جب تک کہ کھانا تیار ہو جائے تھوڑا سا کھا لیجئے پھر جائیے گا۔

مولانا حاجی نے معذرت کی چنانچہ حضرت سعدیؒ نے اجازت دے کر ہمیں رخصت فرمایا۔

فرماتے ہیں کہ

" دراں محل بہ خاطر رسید کہ مشائخ ہندوستان عجب مردم اند کہ آنچہ کم و بیش حاضر باشد در پیش نمی کنند و می گویند کہ باشید تا وقتیکہ طعام ساختہ شود و مہیا گردد . . . من بدیں جہت قدرے ناخوش شدم و ایں روش ایشاں را نہ پسندیدم اما ایں خواطر خود را بہ کسے نہ گفتم "[1]

یعنی اس وقت میرے دل میں یہ خیال آیا کہ مشائخ ہند بھی عجیب لوگ ہیں کہ ما حضر مہمان کے سامنے نہیں لاتے اور کھانے کی تیاری تک انتظار کے لئے کہتے ہیں . . . میں اس وجہ سے بہت رنجیدہ خاطر ہوا اور آپ کی اس روش کو پسند نہ کیا۔ مگر اپنے ان خیالات و وساوس کے بارے میں کسی کو نہیں بتایا۔

اس کے بعد میں کبھی کبھار آپ کے پاس آتا۔ کچھ عرصہ اسی حال میں گذر گیا۔ اس دوران ہر صادر و وارد سے آپ کے اوصاف ولایت اور کرامات کے بارے میں سنتا لہذا نفع و فیض کے حصول کی امید میں دوبارہ آپ کی خدمت میں کثرت سے آمد و رفت کرنے لگا۔ اس طرح چند سال گذر گئے مگر پھر بھی کوئی فائدہ حاصل نہ ہوا۔

چنانچہ ایک روز مولانا حاجی سے عرض کی کہ :-

" در صحبت حضرت ایشاں چند سال آمد و شد کردم و اصلاً نفعے نرسیدم "

حضرت مولانا نے میری شکایت سن کر سخت تنبیہ فرمائی اور اہل اللہ کے بارے میں بدگمانی کرنے سے اجتناب کی

---

[1] ظواہر صفحہ ۵۸۷ - ۴۸۸ھ

تاکید کی۔ کیونکہ از روئے کشف ان پر میری حالت منکشف ہوئی تھی چنانچہ فرمانے لگے کہ:۔

" در اوّل بار کہ با مارفتی و مشرف بہ شرف ملازمت حضرت ایشاں شدی چوں در وقت برخواستن آنحضرت فرمودند کہ اگر باشید تا وقتیکہ طعام ساختہ شود۔۔۔۔ ازیں سخن آں حضرت دل تنگ شدی و مشائخ ہند را بہ دون ہمتی منسوب ساختی پس بجہتہ ایں خواطر در صحبت آں حضرت در توکشائشے پدید نیامد[1] "

پہلی بار جب تم ہماری معیت میں گئے اور حضرت سعدی کا شرف صحبت حاصل کیا۔ رخصت ہوتے وقت جب آں حضرت نے فرمایا کہ کھانے کی تیاری تک انتظار کرو۔ آپ کی اس گفتگو سے تیرے دل میں قلق پیدا ہوا۔ اور (اس بنا پر) مشائخ ہند کو کم ہمت خیال کیا ان خواطر و خیالات کے باعث ان کی صحبت سے تیرے دل میں کوئی کشائش پیدا نہیں ہوئی۔

فرماتے ہیں کہ:۔

" من ازاں خواطر تائب و مستغفر شدم و باز بعجز و انکسار و افتقار بسیار در صحبت آں حضرت آمد و شد میکردم[2] "

میں اُن خیالات و خواطر سے تائب و مستغفر ہوا اور اس کے بعد انتہائی عجز و انکسار اور بے حد افتقار کے ساتھ آں حضرت کی خدمت میں آمد و رفت کرنے لگا۔

فرماتے ہیں کہ:۔

" بعدازاں کہ با مولانا اسماعیل کرت اولی ملازمت آں حضرت کردہ بودم ہفدہ سال در دل آں حضرت یادوراہ نیافتم و در خود کشائشے ندیدم پس از ہفدہ سال التفات خاطر مبارک بمن گماشتند و بہ نظر عنایت مخصوص کردند[3] "

اس کے بعد جب کہ مولانا اسماعیل کے ساتھ پہلی مرتبہ آں حضرت سے ملاقات۔ سترہ سال آں حضرت کے دل میں میں نے کوئی یادوراہ نہ پائی اور اپنے اندر کوئی کشائش نہ دیکھی۔ پس سترہ سال کے بعد آں حضرت میری طرف ملتفت ہوئے اور نظر عنایت سے مجھے مخصوص فرمایا۔

اذن و خلافت پانے کے بعد پشاور میں قیام اور سلسلۂ ارشاد و ہدایت

حضرت سعدی سے مجاز و مرخص ہو جانے کے بعد آپ واپس صوبہ سرحد تشریف لائے۔ اور پشاور شہر کو ارشاد و ہدایت کا

---

[1] ظواہر ص ۵۸۷، ۵۸۸ [2] [3] ایضاً

مرکز بناکر اصلاحِ معاشرہ کی ایک منظم مہم کا آغاز کیا۔ آپ بذاتِ خود اور آپ کے مریدین و متبعین دعوت و تبلیغ کے لئے گاؤں گاؤں اور قریہ قریہ پھرتے، امر بالمعروف کرتے اور لوگوں کو منکرات اور خلاف شرع امور و رسوم سے منع فرماتے۔

خانقاہ اور لنگر خانے کا قیام | حضرت حافظؒ نے طالبانِ حق کی تعلیم و تربیت اور ارشاد و تلقین کے لئے ایک خانقاہ قائم فرمائی۔ جس کے فیوض و انوار نے صدہا زنگ آلود قلوب کو صیقل کر دیا۔ اور آپ کے آفتاب عرفان سے بے شمار لوگوں کے تاریک سینے منوّر ہو گئے۔ خانقاہ کے ساتھ آپ نے ایک لنگر خانے کا بھی بندوبست کیا۔ جہاں سینکڑوں بھوکے پیٹ بھر کر کھانا کھاتے اور بیسیوں برہنہ و محتاج لوگوں کو کپڑے ملتے تھے۔ حضرت شاہ محمد غوث قادری کا بیان ہے کہ :-

حضرت حافظ عبدالغفور پشاوری ۔۔۔ مدام در خدمت مساکین و مسافرین مشغول ماندے و قریب پان صد کس ہر روز در مطبخ وے طعام می خوردند و دیگدان وے گاہے سرد نمی شد و خدام عالی مقام از صبح تا شام در پختگی طعام و تقسیم آں مصروف می ماندند و شیخ سوائے طعام بحاجت منداں نقد و لباس ہم مرحمت می فرمودند و ایں ہمہ خرچش " سوائی دخل ظاہری صرف از خزانۂ غیب بود [1]

حافظ عبدالغفور پشاوری ہمیشہ مساکین اور مسافروں کی خدمت میں مصروف رہتے۔ آپ کے لنگر خانہ سے (تقریباً) پانچ سو آدمی روزانہ کھانا کھاتے۔ آپ کے باورچی خانے کا چولہا کبھی ٹھنڈا نہ ہوتا اور آپ کے خدام صبح سے شام تک کھانا پکانے اور اس کی تقسیم میں مصروف رہتے اور شیخ (عبدالغفور) کھانا دینے کے علاوہ ضرورت مندوں کو کپڑے اور نقدی بھی مرحمت فرماتے اور یہ تمام خرچہ دخل ظاہری کے صرف خزانہ غیب سے تھا۔

اخلاق و عادات | حضرت حافظ پابند شریعت، نہایت پاکباز، متقی اور اوصاف حمیدہ سے متصف بزرگ تھے۔ سرّ اعظم حضرت مولانا محمد یحییٰ المعروف بہ حضرت جی اٹک فرمایا کرتے تھے کہ

" اگر کسے خواہد کہ دلے را ببیند کہ دراں بغض و عداوت و کینہ و بدی مسلماناں جای نمی گیرد بہ پشاور رود کہ آں دلے حافظ عبدالغفور است " [2]

اگر کوئی چاہے کہ ایسا دل دیکھے جس میں مسلمانوں کے لئے برائی، کینہ اور بغض و عداوت نہ ہو تو وہ پشاور جائے (کیوں) کہ وہ حافظ عبدالغفور کا دل ہے۔

---

[1] خزینۃ الاصفیا ج ۱ ص ۶۵۷ بحوالہ رسالہ سید محمد غوث قادری پشاوری ثم لاہوری (متوفی ۱۱۷۷ھ یا ۱۱۵۲ھ)
[2] ظواہر ص ۵۸۹

اتباع رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور دعوت الی الحق آپ خود بھی سنّت رسول ؐ کے سخت پابند تھے اور دوسروں کو بھی اس کی تاکید و تلقین فرماتے اگر کوئی شخص حضور اکرم ؐ کی سنّت مطہرہ کی پابندی نہ کرتا تو آپ اسے سمجھاتے اگر نہ سمجھتا تو پھر سختی کرتے اور اس معاملہ میں کسی بڑے سے بڑے آدمی کی بھی پرواہ نہ کرتے۔ آپ بلا امتیاز معاشرہ کے ہر طبقہ کے افراد کی، خواہ عوام ہوں خواہ خواص یکساں اصلاح فرماتے اور صراطِ مستقیم کی دعوت دیتے۔ حضرت میاں محمد عمر چمکنیؒ (م ۱۹۰۰ء) فرماتے ہیں کہ

" حافظ عبدالغفور از جملہ مقبولانِ حضرت ایشاں اند و پیوستہ شکست نفس و فروتنی شعار ایشان است وخود را ہیچ چیز در نمی آرند و باکہ ومہ باوضیع و شریف با خورد و بزرگ و با فقیر و غنی امر بالمعروف ونہی عن المنکر و اعلاء کلمۃ الحق از اوصاف مرضیہ ایشان است،،

حافظ عبدالغفور حضرت سعدی کے منجملہ مقبول اصحاب میں سے تھے۔ فروتنی اور تواضع آپ کا شعار ہے اپنے آپ کو کچھ شمار نہیں کرتے، ہر چھوٹے بڑے، وضیع و شریف اور فقیر و غنی کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنا اور اعلائے کلمۃ الحق آپ کے پسندیدہ اوصاف میں سے ہے۔

خدمت خلق اور غربا پروری خدمت خلق آپ کا شعار تھا اور غربا و مساکین کے ساتھ بہت محبت کرتے اپنے مواعظ میں حکّام وقت اور مالدار طبقہ کو محتاجوں کی حالتِ زار پر خاص کر توجہ دلاتے اور انہیں تاکید کرتے کہ تمہارے مال میں نادار لوگوں کا حق ہے۔ پرایا حق نہ کھاؤ۔ تمہارے مال میں محتاجوں کا حصّہ خدا نے مقرر فرمایا ہے۔ وہ غالب اور طاقت ور ہے۔ اگر یہ لوگ تم سے اپنا حق لینے پر قادر نہیں تو وہ طاقت ور بادشاہ تم سے ان کا حق لینے کی قدرت رکھتا ہے۔ اور قبل اس کے کہ خدا ان لوگوں کی حق تلفی پر تمہیں سزا دے بہتر یہ ہے کہ تم حقداروں کو ان کا حق پہنچا دو۔ اللہ تعالیٰ اس بات سے ناراض ہوتا ہے۔ کہ ایک ہی گاؤں اور ایک ہی محلہ میں ایک آدمی دولت مند ہو وہ عیش و عشرت کرے اور اس کے پڑوس میں محتاج اور نادار لوگ افلاس اور تنگ دستی کی زندگی بسر کریں[1]

عبادت و ریاضت اور عشق الٰہی حضرت حافظ عبدالغفورؒ ایک عابد و زاہد اور شب زندہ دار بزرگ تھے۔ دنیا اور اہلِ دنیا کی طرف کوئی دھیان نہ دیتے۔ سید محمد غوث لاہوری کا بیان ہے کہ حافظ عبدالغفور پشاوری تمام شب بحبس نفس و مراقبہ می گذرانید و التفات بہ دنیا و اہل دنیا نہ داشت[2]

حضرت حافظ عبدالغفور پشاوری تمام شب حبسِ دم اور مراقبہ میں بسر کرتے۔ دنیا اور اہلِ دنیا کی طرف کوئی التفات

---

[1] روحانی رابطہ ص ۲۲۶-۲۲۷ [2] خزینۃ الاصفیا ج ۱ ص ۶۵۶

نہ کرتے۔ آپ ہر وقت محبت الٰہی میں مستغرق رہتے۔ عشق خداوندی کا یہ حال تھا کہ اگر کوئی شخص قرآن مجید کی کوئی آیت ان کے سامنے تلاوت کرتا یا لفظ "اللہ" زبان پر لاتا تو بے اختیار رونے لگتے۔ اور قلب پر اضطراری کیفیت طاری ہو جاتی۔ شاہ محمد غوث فرماتے ہیں۔

"در عشق الٰہی بدیں آگاہی می گذرانید کہ کسے ہیتے از آیات قرآن روبروئے وے می خواند یا لفظ اللہ بر زبان می آورد گریہ و اضطرار بہ حافظ طاری می شود"[1]

حضرت شیخ محمد یحییٰ رحمۃ اللہ علیہ اور حافظ عبدالغفورؒ کا ربط و تعلق | حضرت شیخ محمد یحییٰ (متوفی ۱۱۴۳ھ) حضرت حافظ کے ساتھ بہت پیار و محبت رکھتے۔ حضرت میاں محمد عمر چمکنیؒ فرماتے ہیں کہ:

"کرتے فقیر راقم ایں حروف بدریافت ملازمت سر اعظم خدمت حضرت مولانا بہ اٹک رفتہ بودم وچوں بہ پشاور مراجعت کردم سر اعظم عصائی دادند و فرمودند کہ ایں عصا را بعد از سلام ما بہ حافظ عبدالغفور علیہ الرحمۃ والرضوان رسانی چوں پیش حافظ جیو آوردم حافظ جیو تواضع نمودند و آں عصا را بچشم مالیدند و گفتند چہ می دانی کہ ایشاں آں عصا را بہر چہ بہ من فرستادند و بہ چہ اشارت کردند فقیر گفتم کہ نمیدانم گفتند کہ ایں عصا را فرستادہ اند اشارت بہ استقامت کردہ اند یعنی استقامت باید کرد"[2]

خلفاء و مریدین | حضرت حافظ ایک فیض بخش پیر و مرشد تھے۔ ہزاروں لوگ آپ کے آستانِ فیض رساں سے مستفید ہوتے مگر افسوس کہ صوبہ سرحد کے دیگر بہت سے علماء و مشائخ کی طرح ان کے حالات بھی پردۂ خفا میں ہیں۔ راقم ان میں سے جن حضرات کے بارے میں معلومات حاصل کر چکا ہے ان کا مختصر تذکرہ حسب ذیل ہے۔

۱۔ **قاضی القضاۃ حضرت شیخ عبدالسلام کشمیریؒ** | حضرت شاہ مسعود کشمیریؒ کے فرزند دلبند تھے۔ حضرت حافظؒ کے اکابر خلفاء میں آپ کا شمار ہوتا ہے۔ اپنے دور کے ایک عالم و فاضل متقی اور نہایت فیاض بزرگ تھے۔ صاحب خزینۃ الاصفیاء کا بیان ہے کہ

خواجہ عبدالسلام کشمیری مجددی از اکابر خلفائے حافظ عبدالغفور پشاوری ست۔ جامع علوم ظاہری و باطنی بود و با وجود دولت ظاہری کہ واسطہ وکالت شاہی در کشمیر داشت و جاگیر دار و منصب دار بود لمحہ از یادِ خدا غافل نمی ماند کثیر از اہل حاجات دینی و دنیوی بر دروازۂ فیض آوازۂ وے ہجوم می آورد و وے بجاجت روائی ہر یک می پرداخت واحدے را ناامید نمی گردانید[3]

---

[1] خزینۃ الاصفیاء ج ا ص ۶۷۵ [2] ایضاً [3] ایضاً

۱۱۷۱ھ / ۱۷۵۷ء میں آپ کا وصال ہوا۔ اپنی خانقاہ گوجرواڑہ (کشمیر) میں مدفون ہیں۔ آپ کے خلیفہ حضرت شرف الدین کشمیری نے اپنی کتاب "روضۃ السلام" اور مولوی ابوالحسن سید محمد نے "تحفۃ السلام" میں آپ کے حالات و مناقب پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔

۲۔ حضرت شیخ شاہ مسعود کشمیریؒ | حضرت عبدالسلام کشمیری کے والد ماجد شاہ مسعود کشمیری کو بھی حضرت حافظ کا شرف ارادت حاصل تھا۔ آپ نے پشاور میں وفات پائی۔ اور اپنے پیر و مرشد کے مقبرہ میں مدفون ہیں۔

۳۔ شیخ عبدالکریم کشمیری | آپ شیخ شاہ مسعود کے صاحبزادے اور شیخ عبدالسلام کے برادر اصغر تھے۔ مفتی غلام سرور لاہوری لکھتے ہیں کہ

"برادر خورد وے شیخ عبدالکریم جامع کمالات صوری و معنوی بود۔"

۴۔ حضرت شیخ محمد علی | کابل کے رہنے والے تھے آپ اور آپ کے بھائی شیخ احمد علی حضرت حافظ کے منظور نظر مریدین میں شمار ہوتے ہیں۔ حضرت میاں محمد عمر چمکنی فرماتے ہیں کہ

شیخ محمد علی و شیخ احمد علی" از منتوسلان و مقبولان حضرت حافظ جیو علیہ الرحمۃ اند"[۱]

۵۔ شیخ شجاعت خان | حضرت شیخ شجاعت خان جلال آباد کے رہنے والے تھے آپ حافظ موصوف کے مشہور مرید و خلیفہ گذرے ہیں۔[۲]

۶۔ مذکورہ حضرات کے علاوہ حضرت شاہ محمد غوث قادری پشاوری ثم لاہوری (م ۱۱۵۲ھ یا ۱۱۷۷ھ) نے بھی آپ کی صحبت بابرکت سے اکتساب فیض فرمایا تھا۔ آپ خود فرماتے ہیں۔

"چوں فقیر را طلب راہ مولیٰ بسیار بود درآں وقت حافظ عبدالغفور کشمیری نام عزیزی در طریقہ نقشبندیہ صاحب اثر بود۔ اکثر در صحبت ایشاں می رفتم"[۳] چونکہ فقیر کو اپنے مولا و آقا کی راہ کی طلب و جستجو بہت زیادہ تھی اس وقت (پشاور شہر میں) حافظ عبدالغفور کشمیری طریقہ نقشبندیہ کے ایک صاحب اثر بزرگ تھے میں اکثر ان کی صحبت میں آمد و رفت کرتا تھا۔[۴]

وفات | حضرت حافظ عبدالغفورؒ نے مخلوق خدا کے عقائد و اعمال کی اصلاح کو اپنی زندگی کا نصب العین بنایا ہوا تھا۔ بالآخر اورنگ زیب عالمگیر کے زمانہ میں ۴ شعبان ۱۱۱۶ھ / ۱۷۰۴ء کو دار فنا سے دار بقا کی جانب کوچ کر گئے[۵]۔ آپ کا مزار پشاور چھاؤنی تھانہ شرقی کے سامنے واقع ہے پشاور شہر کے مشہور مزارات میں شمار ہوتا ہے ع خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

---

[۱] مظاہر ص ۵۹۳ تا ۵۹۶ [۲] ایضاً [۳] رسالہ غوثیہ از شاہ محمد غوث ص ۱۰۲ [۴] حضرت شاہ محمد غوثؒ کے مفصل حالات کے لئے تذکرہ شاہ محمد غوث ملاحظہ فرمایئے [۵] خزینۃ الاصفیاء ج ا ص ۶۵۷۔

احوال و کوائف

مولانا عبدالقیوم حقانی

دارالعلوم کے شب و روز

جزائر مالدیپ کے مشیر مذہبی امور کی آمد | ۲۸ جون۔ سربراہ مالدیپ کے مشیر مذہبی امور شیخ الاسلام محمد جمیل صاحب زیدی اپنے مطالعاتی و تعارفی دورہ میں دارالعلوم حقانیہ تشریف لائے۔ دفتر اہتمام میں حضرت شیخ الحدیث مدظلہ سے ملاقات کی اور اہم امور پر تبادلۂ خیال کیا۔ جہاں حضرت شیخ الحدیث نے انہیں ضیافت بھی دی۔ اگرچہ دارالعلوم میں عام تعطیلات تھیں تاہم حضرت شیخ کی ملاقات اور دارالعلوم کے مختلف شعبہ جات دیکھنے سے بے حد خوش ہوئے اور کتاب الاراء میں اپنی گراں قدر رائے بھی تحریر فرمائی۔

ختم بخاری | ۴ مئی ۸۳ء دارالعلوم علوم شرعیہ بنوں کے مہتمم مولانا حضرت علی صاحب مدظلہ دورۂ حدیث کے طلباء کی ایک جماعت کے ساتھ دارالعلوم حقانیہ تشریف لائے تاکہ حضرت اقدس شیخ الحدیث مدظلہ سے ختم بخاری کی سعادت حاصل کریں۔ لہٰذا ایک پروقار تقریب منعقد ہوئی۔ حضرت شیخ نے بخاری شریف کی آخری حدیث کا درس دیا جسے مولانا انوار الحق صاحب نے قلم بند کر لیا ہے۔ طلباء کو اجازت حدیث مرحمت فرمانے کے ساتھ ساتھ ان کی درخواست پر دستار بندی بھی کرائی۔ اس طرح مختصر اقامت کے بعد طالبان علم نبوت کا یہ قافلہ بنوں کے لئے روانہ ہوگیا۔

دستار بندی افغانی فضلاء | ۲۰ مئی۔ حرکت انقلاب اسلامی افغانستان کے زیر اہتمام افغانستان سے تعلق رکھنے والے فارغ التحصیل طلباء کی دستار بندی کے لئے پشاور میں ایک عظیم الشان اجتماع منعقد ہوا۔ طلباء میں اکثریت ان کی تھی جنہوں نے دارالعلوم حقانیہ سے تعلیم حاصل کی تھی۔ منتظمین کے شدید اصرار پر مولانا سمیع الحق صاحب اور مفتی اعظم دارالعلوم مولانا محمد فرید صاحب نے اجتماع میں شرکت کی۔ اور جہاد کے موضوع پر خطاب بھی فرمایا اور دستار بندی میں بھی شریک رہے۔

برطانوی سکالر خاتون کی آمد | ۳ مئی۔ ایک عالمی خبر رساں ایجنسی کی نمائندہ مسز آرا ... برطانوی
باشندہ ہیں، پاکستان ٹوبیکو کمپنی اور دارالعلوم حقانیہ تشریف لائیں۔ حضرت شیخ کو ماسکو
قندھار اور افغانستان سے متعلق اہم معلومات سے آگاہ کیا۔ جہاد افغانستان
بین الاقوامی تاثرات بھی ظاہر کئے۔ اور اس سلسلہ میں دارالعلوم حقانیہ کے
کی حقانیت، صداقت، جامعیت، ہمہ گیری اور ادیان عالم پر ...
مخصوص انداز میں انہیں اسلام کی دعوت بھی دی۔ اس مذاکرہ
محفوظ کر لئے ہیں۔ آئندہ کسی مجلس میں پیش کر دئے جائیں

ضرورت ہے

پاکستان ایمبیسی اسکول اور کالج طرابلس میں بیالوجی میں اساتذہ کی اسامی کے لئے درخواستیں مطلوب ہیں۔

۱۔	تعلیمی قابلیت	ایم ایس سی بیالوجی / زوآلوجی کم ازکم سیکنڈ ڈویژن
۲۔	تجربہ	۲ سالہ
۳۔	سکیل تنخواہ	لیبیا دینار ۲۰۰ - ۸ - ۲۴۰
۴۔	مدت	۳ سال (قابل تجدید)
۵۔	ہوائی سفر	پاکستان سے طرابلس تک اور کنٹریکٹ کے خاتمہ پر واپس پاکستان تک فری ہوائی سفر
۶۔	میریٹل سٹیٹس	غیر شادی شدہ ترجیحاً

۲۔ درخواستیں مکمل کوائف، نقول تعلیمی دستاویزات کے ساتھ / دو عدد نقول فوٹوگرافس کے ساتھ این۔ آئی سیکشن۔ وزارت تعلیم۔ بلاک ڈی۔ کمرہ نمبر ۲۰۸ پاک سکریٹریٹ اسلام آباد کو ۸۳-۷-۲۰ تک پہنچ جائیں۔ ملازم پیشہ حضرات اپنے اپنے محکموں کی وساطت سے درخواستیں روانہ کریں۔

PID(I) 55/29

گورنمنٹ آف پاکستان دفتر آف چیف کنٹرولر آف امپورٹس اینڈ ایکسپورٹس اسلام آباد

امپورٹ ٹریڈ کنٹرول

پبلک نوٹس

عنوان:- جاپانی ڈیبیٹ امدادی اشیاء قرضہ کا استعمال

نمبر ۴۲ (۸۳) امپورٹ ٹی۔ تمام متعلقین کو مطلع کیا جاتا ہے کہ وہ کنٹریکٹس جن کے لئے ٹولز اینڈ ورکشاپ ایکوئپمنٹ کی درآمد کے لئے لیٹر آف کریڈٹ پہلے ہی قائم ہو چکے ہیں کے سلسلے میں صرف شپمنٹ کے مقاصد کے لئے جاپانی ڈیبیٹ (DEBT) امدادی اشیاء قرضہ کے قابل عمل ہونے میں ۳۱ اگست ۱۹۸۳ء تک توسیع کردی گئی ہے۔

زاہد حسین خان کنٹرولر
چیف کنٹرولر آف امپورٹس اینڈ ایکسپورٹس

PID(I) 108/12

رمضان المبارک
ادائی فرض اور اعادۂ صحت کا مہینہ ہے
رمضان المبارک کے روزے فرض ہیں۔ مسلمان کہ جو اس رکنِ اسلام کا
دل و جان سے احترام کرتے ہیں وہ درحقیقت اپنی ذہنی کثافتوں
کو دور کرکے اپنی بالیدگیٔ رُوح کا سامان کرتے ہیں اور اپنی جسمانی کدورتوں
سے خالی ہوکر اپنی صحتِ جسمانی کا اہتمام کرتے ہیں۔ رمضان المبارک کا
احترام کرنے والا اور روزہ کا پابند انسان بہرطور اور بہرلحاظ تن درست رہتا ہے
اور چاق وچوبند۔
اس رفیع و بابرکت اور مقدس مہینے میں سحر و افطار کے احترام
کے معنی یہ ہیں کہ آپ کھانے پینے میں احتیاط کا دامن پکڑیں اور اتنا نہ تناول
فرمائیں کہ ہضم پر بار اور دل پر بوجھ بن جائے۔
انواع و اقسام کے کھانے ایسا نہ ہو کہ اسراف کی تعریف میں آجائیں
اور رُوحِ رمضان مضمحل ہوجائے اور برکاتِ رمضان معرضِ خطر میں آجائیں۔
مجبوراً اور حادثے کے طور پر کبھی دامنِ احتیاط چھوٹ جائے
تو آپ کارمینا سے فوراً اصلاحِ ہضم کا سامان کریں اور معمولاتِ
رمضان میں کوئی فرق نہ آنے دیں۔
کارمینا
بدہضمی، قبض، گیس
سینے کی جلن، تیزابیت
وغیرہ کا اچھا علاج ہے
ہمدرد
ہم خدمتِ خلق کرتے ہیں
آوازِ اخلاق
بہترین عمل وہ ہے جو دوسروں کے لئے نفع بخش ہو
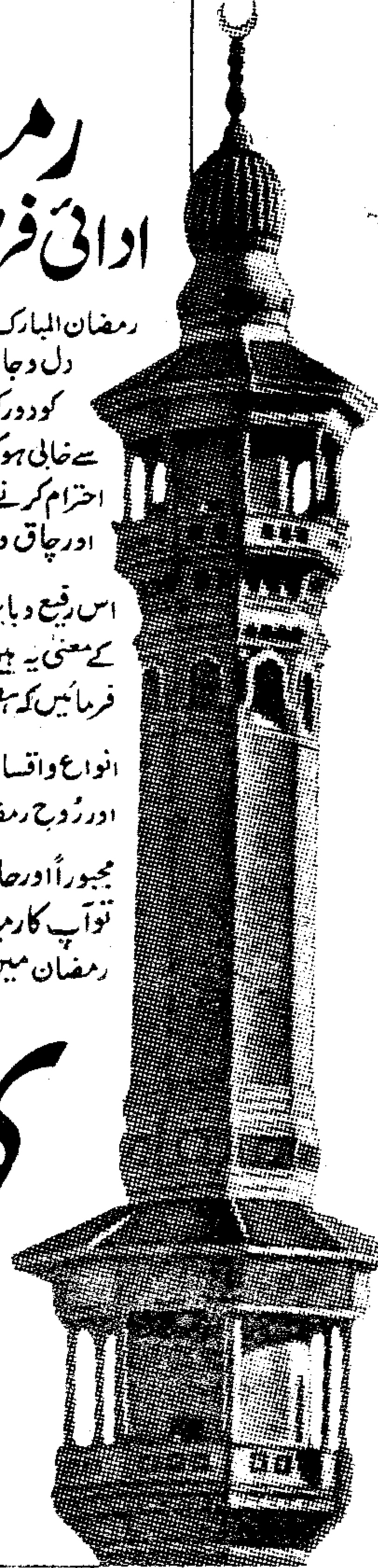
بلند ہمّت
جوانوں کی پسند
اُجالا ڈینِم
اور
صدف شرٹِنگ
مضبوط و دیرپا اُجالا واش اینڈ ویر ڈینِم
خوشنما رنگوں میں لیجیے۔
صدف شرٹنگ بہت سے پکّے رنگوں میں
دستیاب ہے۔
زندہ دل جوانوں کا ذوقِ زیبائش
آج جنکے دَم سے رونق اور چہل پہل ہے۔
MADE OF
Toray
TETORON
POLYESTER FIBER
محمد فاروق ٹیکسٹائل ملز لمیٹڈ
MFTM-5-77
Asiatic
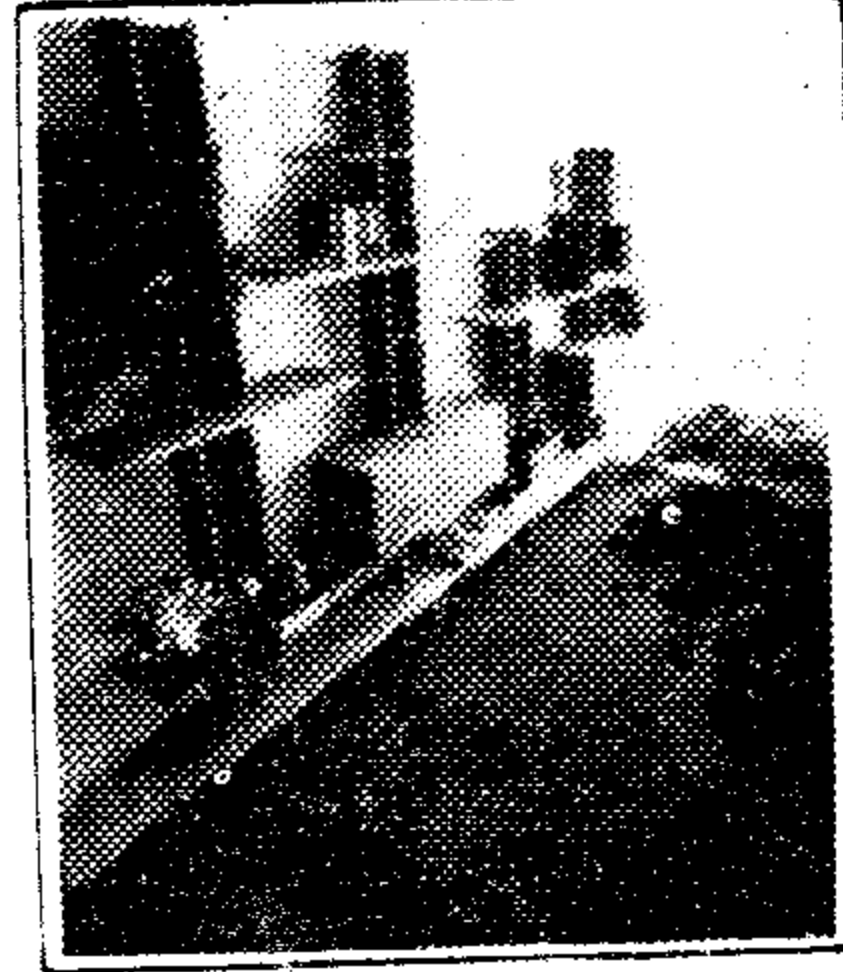
ترجمہ : اللہ تعالےٰ فضول خرچی کرنے والوں کو ناپسند کرتا ہے

توانائی میں بچت کیجیے

آپ کے ملک کا اربوں روپیہ توانائی پر خرچ ہوتا ہے۔ اس کے بے جا استعمال سے گریز کیجیے۔ یاد رکھیے! پٹرولیم پر حکومت روزانہ ۵ کروڑ روپے کا زرمبادلہ خرچ کرتی ہے۔ گیس کے استعمال پر بیرون ملک قیمت کے لحاظ سے روزانہ ۶ کروڑ روپے۔ بجلی کی پیداوار پر حکومت کا خرچ ۲٫۵ کروڑ روپے روزانہ ہوتا ہے۔ پٹرول، ڈیزل، مٹی کا تیل، قدرتی گیس، بجلی ہمارے لئے نعمتیں ہیں۔ ان کا ضیاع مت کیجیے۔ توانائی کے استعمال میں بچت روزمرہ کی زندگی کا اصول بنائیے۔ ایندھن کل کی ضرورت ہے

ادارہ وسائل توانائی حکومت پاکستان

REGD-NO.P-91

AL-HAQ

اے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) بیشک ہم نے آپکو اس شان کا رسول بنا کر بھیجا ہے
کہ آپ گواہ ہوں گے اور آپ (مومنین کے) بشارت دینے والے ہیں اور (کفار کے)
ڈرانے والے ہیں اور (سب کو) اللہ کی طرف اس کے حکم سے بلانے والے ہیں۔ اور
آپ ایک روشن چراغ ہیں۔

O Prophet ! truly We have sent thee
as a Witness, a Bearer of glad
tidings, and a Warner, and as
one who invites to Allah's (Grace)
by his leave. And A Lamp Spreading Light